هٰذا بلاغ للناس

جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ / دسمبر ۲۰۰۸ء

بانی: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

هٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ

جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

کراچی

جلد ۴۳

ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ دسمبر ۲۰۰۸ء

شمارہ ۱۲

فی شمارہ .... ۲۵/- روپے

سالانہ .... ۲۵۰/- روپے

بذریعہ رجسٹری .... ۳۷۰/- روپے

سالانہ بدل اشتراک
بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور
یورپی ممالک .... ۳۵ ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور
متحدہ عرب امارات .... ۲۷ ڈالر

ایران، بنگلہ دیش .... ۲۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "البلاغ" جامعہ دارالعلوم کراچی
کورنگی انڈسٹریل ایریا
کراچی ۷۵۱۸۰

بینک اکاؤنٹ نمبر

میزان بینک لمیٹڈ
کورنگی انڈسٹریل ایریا برانچ
اکاؤنٹ نمبر: 036-153

فون: ۵۰۴۳۴۹۹
۵۰۴۹۷۷۴

یونیورسل نمبر: ۱۱۱-۷۸۶-۵۰۶

Email Address
darulolumkhi@hotmail.com
www.darululoomkhi.edu.pk

کمپوزنگ

ایس۔بی۔ایس انٹرپرائز کراچی

پبلشر: محمد تقی عثمانی

پرنٹر القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ترتیب

ذکر و فکر

معارف القرآن

مقالات و مضامین

آپ کا سوال

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب و روز

نقد و تبصرہ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

اسلامی نظریاتی کونسل کی روشن خیالی؟

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

دستور پاکستان کی رو سے اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ اُن چند اداروں میں سے ایک ہے جسے دستور کی ہر تشکیل میں برقرار رکھا گیا ہے، ملک میں اس ادارے کی حیثیت ایک سرکاری دارالافتاء کی سی ہے، جہاں تحقیق طلب مسائل کی طویل فہرست ایسے علمائے راسخین کا انتظار کرتی رہتی ہے جو مآخذ شریعت کا صحیح ادراک رکھتے ہوں، جنہوں نے اس وادیِ پرخار میں عمر کا بڑا حصہ پتہ پانی کیا ہو، جن کے تفقہ اور اصابت رائے پر اہلِ دین کو اطمینان ہو اور اس راہ میں جن کی خدمات اور کاوشیں ہر طرح کی جاہ و مال اور شہرت و ناموری کی خواہش سے بالاتر اپنے رب کی رضاجوئی اور دین حنیف کی سربلندی کیلئے وقف ہوں۔

دستور پاکستان میں اس ادارے کی ہیئت ترکیبی یہ قرار دی گئی ہے کہ:

"اسلامی کونسل کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ بیس ایسے ارکان پر مشتمل ہوگی جنہیں اسلام کے اصولوں اور فلسفے کا، جس طرح قرآن وسنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، علم ہو۔"

اسلامی کونسل کے کارہائے منصبی حسب ذیل ہوں گے:

"پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرنا جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی واجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات

کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور امداد ملے جن کا قرآنِ پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے، ایسی تدابیر کی، جن سے نافذ العمل قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے، نیز ان مراحل کی، جن سے گزر کر محولہ تدابیر کا نفاذ عمل میں لانا چاہئے، سفارش کرنا۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کیلئے اسلام کے ایسے احکام کی ایک موزوں شکل میں تدوین کرنا جنہیں قانونی طور پر نافذ کیا جاسکے۔''

ادارے کی ہیئت ترکیبی میں سقم کے باوجود اس کے جو کارہائے منصبی دستور میں درج ہیں، وہ ناگزیر اور قابلِ تحسین ہیں تاہم دو امور ایسے ہیں جو مثبت نتائج کی راہ میں سنگِ گراں سے کم نہیں ہیں ایک یہ کہ اس ادارے کی حیثیت محض سفارش کرنے اور مشورہ دینے کی ہے، اس سے زیادہ مملکت کی سطح پر قائم یہ دستوری ادارہ کوئی تنفیذی حیثیت رکھتا ہے نہ اس کی کوئی قرارداد یا تحقیق و تدوین واجب العمل ہے ــــــ اس طرح یہ سرکاری اور دستوری ادارہ اپنی اس حیثیت کی وجہ سے نجی طور پر ملک میں جگہ جگہ قائم کسی بھی علمی ادارے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

دوسری بات جو کھلے طور پر مضحکہ خیز ہے وہ یہ کہ اگر دستور کے عین مطابق طے شدہ طریقۂ کار کی پوری رعایت سے اس طرح یہ ادارہ تشکیل دیا جائے کہ اس کے ارکان مطلوبہ اہلیت و صلاحیت کے حامل ہوں اور یہ حضرات پوری علمی و دینی بصیرت سے مشورہ دیں۔ جب بھی اس قرارداد اور مشورہ کے معتبر ہونے کیلئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ایوان کے ارکان اس پر رائے دیں اور اس کے نافذ العمل ہونے یا مسترد کرنے کا فیصلہ کریں۔

پچھلے چند سالوں سے ہماری سیاست کا اور سیاسی ایوان کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ایک طرف تو خود انتخابی نظام ہی ایسا ہے جس کی رو سے اسمبلی کا ممبر بننے کا زینہ صرف شاطرانہ سیاست، بیرونی پشت پناہی اور وافر دولت ہے اور ایوان میں کسی علمی شخصیت کا پہنچنا جوئے شیر تک پہنچنے سے کم دشوار نہیں ہے۔ اس لئے جس صلاحیت کے لوگ اسمبلی میں پہنچتے ہیں ان سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ دین وملت کی خیرخواہی میں عقل و دانش اور بیدار ضمیر کے ساتھ کوئی صائب رائے دے سکیں گے۔

اس لئے نظریاتی کونسل کی مقدس اساسی اغراض کے پیش نظر سب سے پہلے یہی بات ترجیحی

اہمیت کی حامل ہے کہ اس کی ہیئت ترکیبی اور طریقۂ کار میں موجود سقم دور کئے جائیں اور اس کو تنفیذی حیثیت کا حامل مؤثر ادارہ قرار دیا جائے تاکہ ملک وقوم کیلئے اس کی افادیت سامنے آ سکے۔

مذکورہ بالا نقائص سے قطع نظر کر کے بھی پچھلے دو تین عشروں پر محیط اس ادارے کی کارکردگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو قومی سطح پر اہم ترین سیاسی، معاشی، عدالتی اور سماجی میدانوں میں اس ادارے کی کارکردگی کی کوئی جاذبِ توجہ تصویر نظر نہیں آتی۔

اس کے ممبران بالعموم دستور میں درج کم از کم اہلیت کے معیار پر نہیں ہوتے، ان کا تقرر زیادہ تر سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر ہوتا رہا۔ ادارے کی دستوری زندگی میں چند ایسے لمحات بھی آئے ہیں کہ سنجیدہ طور پر اہل افراد کو اس کا چیئرمین یا رکن نامزد کیا گیا اور انہوں نے اپنی علمی اہلیت کی بناء پر مختصر مدت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لیکن ان کی مختلف سفارشات، قرار دادیں، غیر سودی بینکاری، نیز دیگر معاملات سے متعلق اُس دور کی رپورٹیں آج بھی غفلت و لاپرواہی کی چٹانوں تلے، کونسل کے کسی تہ خانے میں پڑی ہوئی ہیں۔

حماقت یا دین دشمنی کی، اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی جب اس کونسل کی علمی معاونت کیلئے اسلامی تحقیقاتی ادارہ (Islamic Research Institute) قائم کیا گیا تو اس کی سربراہی کیلئے ایک ایسے صاحب کو امریکا سے درآمد کیا گیا تھا جو میکسیکو یونیورسٹی کے فاضل تھے انہیں یہودی پروفیسر ان سے ''تلمذ کا شرف'' حاصل تھا اور معارف اسلامی میں انہیں کے دست فیض سے موصوف کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری ملی تھی اس لئے ڈاکٹر کہلاتے تھے، ان ڈاکٹر صاحب نے آ کر جراحی کی ایسی ریسرچ شروع کی کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ کے قطعی احکام میں تحریف کر ڈالی، ایسا لگتا تھا کہ وہ اس ملک کو مغربی تمدن کے رنگ میں رنگنے کیلئے دین اکبری کے نمونے پر اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن پیش کرنا چاہتے ہیں جس کا نام تو اسلام ہو لیکن اس کے اجزائے ترکیبی مغربی مادہ پرستانہ تصورات اور ملحدانہ افکار کے سوا کچھ نہ ہوں۔ اگر پاکستان کے مسلمان بروقت احتجاج نہ کرتے تو نہیں کہا جاسکتا کہ کیا کچھ نہ ہو جاتا، موصوف کو مجبوراً اپنی سابقہ درسگاہ کی طرف لوٹنا پڑا اور ان کی اس حرکت سے اس وقت کی حکومت بھی لرز کر رہ گئی تھی پاکستان کیلئے قادیانیت کے بعد یہ دوسرا بڑا فتنہ تھا۔

کونسل اور تحقیقاتی ادارے کی گزشتہ تقریباً چالیس سالہ عمر کا زیادہ تر حصہ نشستند و گفتند و برخاستند

کی نذر ہوتا رہا ہے ان اداروں کے فنڈ کی بھاری رقوم ملک وملت کے کسی کام نہیں آئیں بلکہ اپنوں کو نوازنے کیلئے استعمال کی گئیں اور نام غریب اسلام کی خدمت کا لیا گیا۔

یوں تو وطن عزیز کا کونسا ادارہ ایسا ہے جس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جگہ جگہ لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے، ملک وقوم کی خیر خواہی عنقا ہے، خودغرضی اور ہوس پرستی کا کرگس ملکی معیشت اور قومی استحکام کی بوٹیاں نوچ رہا ہے۔ قومی حمیت اور دینی غیرت سے محروم کٹھ پتلیوں نے قوم کے گلے میں غلامی کا طوق ڈلوایا ہے، بستی بستی اور شہر شہر بدامنی کی وجہ سے لوگ اضطراب میں ہیں اور رشوت و سفارش کے بغیر کوئی بھی آدمی اپنے جائز حق تک پہنچنے کا تصور نہیں کرسکتا۔

لیکن قرآن وسنت کے احکام اور دین حنیف کی تعلیمات کو فروغ دینے کے نام پر قائم کسی ادارے کا یہ حال دیکھ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ کونسل کی موجودہ ہیئت ترکیبی قومی وملکی سطح پر احمقانہ اور خودغرضانہ ان پرویزی اقدامات کی ایک مثال ہے جس نے اس وقت ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا ہے چنانچہ اس کونسل کے ممبران میں عمیق دینی بصیرت کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔

چند کتب کے مطالعہ سے دینی معلومات تو حاصل ہوجاتی ہیں لیکن دین کی عمیق فہم، جب تک شریعت کے اصل مآخذ کا درسی تحقیقی علم نہ ہو ممکن نہیں ہوتی، جس طرح میڈیکل سائنس کی کتابوں کا صرف مطالعہ ڈاکٹر نہیں بنا سکتا، جہاں تک کسی فرد کے لئے لفظ ''مولانا'' کا معاملہ ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس لفظ کے پیچھے علم وفضل کے کسی پیمانے کا تصور باقی نہیں رہا ہے۔ لہٰذا محض اس عرفی لقب کی بنیاد پر ایسے مقتدر اداروں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ بعض اوقات حکومت کے کچھ ارکان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی کی ذات کو استعمال کر کے کوئی جدید اسلام پیش کیا جائے تو یہ حسرت فیضی سے لے کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن تک بہت سے لوگ اپنے ساتھ قبروں میں لے گئے ہیں، دین حنیف میں نہ مغرب پسندی کا کوئی جوڑ لگ سکتا ہے نہ ہوس پرستی کا، ملک اور قوم کی فلاح صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے اور آپ کی لافانی تعلیمات سے وابستہ ہے اپنی روشن خیالی کے دعوؤں میں ظلمتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حال ہی میں اس کونسل نے روشن خیال سفارشات پیش کی ہیں جن کے خلاف ملک بھر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء نے شدید احتجاج کیا ہے، جامعہ دارالعلوم کراچی کے مفتیان کرام کی طرف سے

بھی ان سفارشات کو فتنہ انگیز اور قابل مذمت قرار دیا گیا ہے، بیان حسب ذیل ہے جو ان حضرات کے دستخطوں سے جاری ہوا ہے:

''اسلامی نظریاتی کونسل نے جبری طلاق اور بغیر محرم کے حج کرنے سے متعلق جو سفارشات پیش کی ہیں وہ علم دین سے مَس رکھنے والے ہر شخص کیلئے حیرتناک، قابل مذمت اور فتنہ انگیز ہیں، اسلامی نظریاتی کونسل کی موجودہ ہیئت نہ دستور کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور نہ ہی اس کو عوام اور اہل علم کا اعتماد حاصل ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف صاحب نے اپنی نام نہاد ''روشن خیالی'' کے نام پر اس کی تشکیل کی تھی، اور اس وقت ارکان کی تعداد کے لحاظ سے بھی وہ نامکمل ہے، اور مستند و معتمد علمائے دین میں سے کوئی اس کی رکنیت میں شامل نہیں ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ملک چاروں طرف سے فتنوں میں گھرا ہوا ہے، سرحد میں بدامنی اور خانہ جنگی سے پورا ملک تشویش و اضطراب کا شکار ہے، اور ''روشن خیالی'' کے نام پر ملک میں تحریف دین اور حدود شرعیہ کے خلاف بے دینی کو رواج دینے کی جو کاروائیاں پچھلے دور میں ہوئی ہیں، شروع میں انہی کی وجہ سے ان علاقوں میں بدامنی کی فضا پیدا ہوئی، اور دشمنوں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر ملک میں خانہ جنگی کو فروغ دیا، اور ملک دشمن عناصر کو آگ بھڑکانے کیلئے متعین کردیا۔ ایسے پُرخطر حالات میں اس قسم کی سفارشات سے امت کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دی جاسکتی۔

لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ دستور کے تقاضوں کے مطابق معتمد علمائے دین پر مشتمل کونسل کی نئی تشکیل کرے، اور امت کو ایسی انتشار انگیز تجاویز سے بچانے اور بلاوجہ فتنہ کھڑے کرنے سے محفوظ رکھے۔''

قارئین ''البلاغ'' کیلئے ضروری اعلان

ماہنامہ ''البلاغ'' کے اکثر قارئین کی مدت خریداری ماہ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ پر ختم ہورہی ہے اُن سے درخواست ہے کہ آئندہ سال محرم ۱۴۳۰ھ تا ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ کا سالانہ بدل اشتراک مبلغ (۲۵۰/-) دوسو پچاس روپیہ بلد از جلد روانہ فرمائیں تاکہ منی آرڈر تاخیر سے موصول ہونے کی وجہ سے جو دفتری مشکلات پیش آتی ہیں انکا سدباب ہوسکے۔

☆......قارئین چیک/بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھی ادائیگی کرسکتے ہیں۔ چیک/بینک ڈرافٹ روانہ کرنے کی صورت میں ماہنامہ ''البلاغ'' کے ساتھ میزان بینک لمیٹڈ کورنگی انڈسٹریل ایریا برانچ اکاؤنٹ نمبر 036-153 ضرور تحریر فرمائیں۔

☆......ایسے حضرات جو ماہنامہ ''البلاغ'' کی خریداری آئندہ جاری رکھنا نہیں چاہتے اُن سے بھی درخواست ہے کہ اپنے خریداری نمبر کے حوالے کے ساتھ دفتر ''البلاغ'' کو جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

☆......سالانہ بدل اشتراک نہ ملنے اور ماہنامہ ''البلاغ'' آئندہ جاری رکھنے کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ آپ سالانہ بدل اشتراک بذریعہ وی۔ پی ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں قارئین کو محرم ۱۴۲۹ھ کا شمارہ وی۔ پی (V-P) کے ذریعہ روانہ کیا جائے گا۔ جس کا وصول کرنا ان کا اخلاقی فرض ہوگا۔

☆......غیر ملکی ممبران سے بھی درخواست ہے کہ وہ ادارے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خریداری کی مدت ختم ہوتے ہی پہلے صفحہ پر شائع شدہ سالانہ بدل اشتراک کی شرح کے مطابق زرِ سالانہ روانہ فرمائیں۔

☆......منی آرڈر/بینک ڈرافٹ روانہ کرتے وقت نیز ادارے سے کسی بھی قسم کی خط و کتابت کی صورت میں اپنا ''خریداری'' نمبر لکھنا نہ بھولئے۔

☆......زرِتعاون براہِ راست بینک میں جمع کرانے پر دفتر البلاغ کو ضرور مطلع فرمائیں۔ شکریہ

ناظم ماہنامہ ''البلاغ''
جامعہ دارالعلوم کراچی
کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی پوسٹ کوڈ 75180

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

معارف القرآن

وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی

سورة العلق ......☆...... آیت نمبر: ۱ تا ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

معارف ومسائل

صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورۂ علق یعنی اقرأ سے ہوئی ہے اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں مَالَمْ يَعْلَمْ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۂ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف و خلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں (کذا روی عن ابن عباس والزهری و عمروبن دینار۔ درمنثور) اور جن حضرات نے سورۂ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر و توقف سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج وغم پیش آیا اس کے بعد اچانک پھر حضرت جبرئیل امین سامنے آئے اور سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اس وقت بھی آنحضرت ﷺ پر نزول وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۂ اقرأ کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کا بیان آگے آرہا ہے اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں اور سورۂ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے اُس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (مظہری) صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتدا کا واقعہ

اس طرح بیان ہوا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلسلۂ وحی رؤیائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آجاتا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لیے آپ نے غارِ حراء کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دُور سے نظر آتی ہے) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے اور اس وقت کے لیے آپ ضروری توشہ لے جاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ ام المومنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لیے توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ اسی غارِ حراء میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (غارِ حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اس میں قیام فرمایا۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبادت جو آپ غار حراء میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اس وقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، بعض حضرات نے فرمایا کہ نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام کی شرائع کے مطابق عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اس کا ثبوت ہے اور نہ آپ کے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (مظہری)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبرئیل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں (کیونکہ آپ اُمّی تھے، اور جبرئیل امین کے قول اِقْرَأْ کی مراد آپ پر اس وقت واضح نہ تھی کہ کیا اور کس طرح پڑھوانا چاہتے ہیں، کیا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیں گے جس کو پڑھنا ہوگا اس لئے اپنے اُمّی ہونے کا عذر کر دیا) حضرت صدیقہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبرئیل امین نے مجھے آغوش میں لے کر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی اس

کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر جبرئیل امین نے دوبارہ آغوش میں لے کر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا، اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾

قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچ) آیتیں لے کر آپ گھر واپس تشریف لائے آپ کا دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر فرمایا زمّلونی زمّلونی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو (حضرت خدیجہ نے آپ پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی (یہ کیفیت اور کپکپی جبرئیل علیہ السلام کے خوف سے نہیں تھی کیونکہ آپ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس وحی کے ذریعہ جو نبوت و رسالت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اس کا بارِ گراں محسوس فرمانے اور ایک فرشتہ کو اُس کی اصلی ہیئت میں دیکھنے سے طبعی طور پر یہ ہیبت کی کیفیت پیدا ہوئی)۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ افاقہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غارِ حراء کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہوگیا۔ حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اُٹھالیتے ہیں۔ بے روزگار آدمی کو کسب پر لگادیتے ہیں مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہؓ لکھی پڑھی خاتون تھیں اُن کو شاید کتب سابقہ توریت و انجیل سے یا اس کے علماء سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس شخص کے اخلاق و عادات ایسے کریمانہ ہوں وہ محروم و ناکام نہیں ہوا کرتا اس لئے اس طریقے سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی)۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانۂ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہوگئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا) ورقہ ابن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو اُن کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت

بوڑھے تھے، بڑھاپے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ ابن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتارا تھا کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا، اور کاش کہ میں اُس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی، ورقہ نے کہا کہ بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لے کر آیا ہے جو آپ لائے ہیں تو اُس کی قوم نے اس کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا مگر ورقہ اس کے چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے اور اس واقعہ کے بعد وحیٔ قرآن کا سلسلہ رُک گیا (بخاری و مسلم) فترت وحی کی مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (مظہری)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، باسم ربّک میں لفظ اسم بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کریں جیسا کہ خلاصۂ تفسیر میں لکھا گیا ہے، دوسرا اشارہ اس میں اُس عذر کے جواب کا ہے جو آپ نے پیش کیا تھا کہ میں قاری نہیں، باسم ربّک کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے اُمّی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے وہ اُمّی شخص کو اعلیٰ علوم اور خطابت کا سلیقہ اور فصاحت و بلاغت کا وہ درجہ دے سکتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے پڑھے عاجز ہو جائیں جیسا کہ بعد میں اس کا ظہور ہوا (مظہری) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے لفظ ربّ کو خصوصیت سے اختیار کرنے میں اس مضمون کی مزید تائید و تاکید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا پروردگار ہے ہر طرح کی تربیت کرتا ہے وہ اُمی ہونے کے باوجود آپ سے پڑھوا بھی سکتا ہے۔ الّذی خلق، صفات الٰہیہ میں سے اس جگہ صفت تخلیق کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مخلوقات پر جیسے انعامات و احسانات حق تعالیٰ کے ہیں اُن میں سب سے پہلا انعام اس کو وجود عطا کرنا ہے جو تخلیق ربانی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے، اور اس جگہ خَلَقَ کا مفعول یعنی جس چیز کو پیدا کیا وہ ذکر

نہیں کی گئی اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ ساری ہی کائنات اُس کی مخلوق ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، **الَّذِیْ خَلَقَ** میں پوری کائنات کی تخلیق کا بیان ہوا تھا **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** میں اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھوتو پوری کائنات ومخلوقات کا خلاصہ انسان ہے، جہان میں جو کچھ ہے اُس کی نظائر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت ورسالت اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد احکام الٰہیہ کی تنفیذ وتعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ **عَلَقَ** کے معنے منجمد خون کے ہیں انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرے اور گزرتے ہیں اُس کی ابتداء مٹی اور عناصر سے ہے پھر نطفہ سے اُس کے بعد **عَلَقَه** یعنی منجمد خون بنتا ہے پھر مضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہیں۔ علقہ ان تمام اَدْوارِ تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کرکے اس کے اول وآخر کی طرف اشارہ ہوگیا۔

اِقْرَأْوَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، یہاں لفظ اقرأ کو مکرر لایا گیا ہے جس کی ایک وجہ خلاصۂ تفسیر میں آچکی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اقرأ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا، یہ دوسرا تبلیغ ودعوت اورلوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہوتو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔ اور صفت اکرم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جود وکرم ہے، کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمٰی عطا فرمائی۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، تخلیق انسانی کے بعد اُس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک. زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر وخط سے۔ ابتدائے سورت میں لفظ اقرأ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کرکے بیان فرمایا ہے۔

☆☆☆

میراث تقسیم کرنا فرض ہے

(ترجمہ آیت) مردوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے جس کو (اُن مردوں کے) ماں باپ اور (یا + دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، اور (اسی طرح) عورتوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصہ (مقرر) ہے اُس چیز میں سے جس کو عورتوں کے ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرتے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ چھوڑی ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے حصہ ملیگا) حصہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔ (سورۃ النساء)

تشریح

آج یتیموں، بیواؤں اور خواتین پر ظلم و ستم معاشرہ میں جاری ہے کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد بالغ اور طاقت ور اولاد باپ کے تمام مال و جائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے۔ نابالغ لڑکے محروم رہ جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا تو کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس ظلم کو دور کیا، نابالغ یتیم بچوں اور خواتین خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کو وارث قرار دیا اور ان کے حصے مقرر کئے اور ان کا حق ادا کرنا فرض قرار دیا۔ اور عام مسلمانوں کو خطاب عام کر کے حکم دیا کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد اور ورثاء کو پورا پورا پہنچایا جائے اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کیا جائے جس سے اس کی اولاد اور دیگر ورثاء کو حصہ نہ پہنچنا تو درکنار، نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ نہ رہے

ایک بندۂ خدا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

لاطینی امریکہ کا ایک سفر

برازیل -- پانامہ -- ٹرینیڈاڈ -- باربے ڈوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

عام طور سے جب ہم امریکہ کا لفظ بولتے ہیں، تو اس سے صرف شمالی امریکہ کے براعظم کا وہ ملک مراد ہوتا ہے جسے ریاست ہائے متحدہ یا انگریزی میں یونائیٹڈ اسٹیٹس کہتے ہیں، اور جو اس وقت دنیا کی سپر پاور کی حیثیت سے مشہور ہے۔ لیکن درحقیقت امریکہ دو بڑے براعظموں کا نام ہے۔ ایک براعظم شمالی امریکہ ہے جس کا سب سے بڑا ملک کینیڈا ہے، اور ریاست ہائے متحدہ اور میکسیکو بھی اُسی میں واقع ہیں۔ اور دوسرا براعظم جنوبی امریکہ کہلاتا ہے جو کولمبیا سے ارجنٹائن اور چلی تک پھیلا ہوا ہے۔ شمالی امریکہ کے انتہائی جنوبی سرے پر خشکی کی ایک لمبی پٹی ہے جس پر میکسیکو سے لیکر پانامہ تک بہت سے چھوٹے چھوٹے ملک واقع ہیں۔ یہ علاقہ اگرچہ شمالی امریکہ کے براعظم میں شامل ہے، لیکن اصطلاح میں اس کو وسطی امریکہ اور انگریزی میں سنٹرل امریکا کہتے ہیں۔ شمالی امریکا، وسطی امریکا اور جنوبی امریکہ تینوں علاقوں میں جو ممالک انگریزی کے بجائے دوسری رومانی زبانیں (Romance Languages) مثلاً اسپینی، پرتگیزی یا فرانسیسی زبانیں بولتے ہیں، اُنہیں لاطینی امریکہ کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ لاطینی امریکہ اور جنوبی امریکہ کو ہم معنی سمجھتے ہیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔ اگرچہ جنوبی امریکہ کا پورا براعظم لاطینی امریکہ میں شامل ہے، لیکن لاطینی امریکہ میں میکسیکو بھی داخل ہے جس کا ایک بڑا حصہ شمالی امریکہ میں ہے، نیز وسطی امریکہ کے تمام ممالک بھی لاطینی امریکہ کہلاتے ہیں جو زیادہ تر اسپینی زبان بولتے ہیں۔ شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) سے ملا ہوا ایک سمندر ہے جسے بحیرۂ کیریبین (Caribbian Sea) کہا جاتا ہے۔ اس سمندر میں کئی بڑے بڑے جزیرے ہیں جنہیں جزائر غرب الہند اور انگریزی میں ویسٹ انڈیز کہتے

ہیں۔ان میں سے ہر جزیرہ اب مستقل ملک بن چکا ہے۔ برٹانیکا کے مطابق ان جزیروں کو بھی توسعاً لاطینی امریکہ کی اصطلاح میں شامل کرلیا جاتا ہے۔

میں ان صفحات میں اپنے جس سفر کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، وہ جنوبی امریکہ کے ملک برازیل، وسطی امریکہ کے ملک پانامہ، اور جزائرغرب الہند کے دوملکوں ٹرینیڈاڈ اور بارب ڈوس پر مشتمل تھا۔ چونکہ وسیع تر معنی میں یہ سارے ممالک لاطینی امریکہ کے حصے ہیں، اس لئے عنوان میں اسے لاطینی امریکہ کا سفرقرار دیا گیا ہے۔

تقریباً ڈھائی سال سے پانامہ اورٹرینیڈاڈ کے بعض مسلمانوں کی طرف سے مجھے ان ملکوں کا دورہ کرنے کی دعوت مل رہی تھی، لیکن چونکہ یہ ملک ہم سے بہت دور واقع ہیں، اور ان کا سفر کرنے کیلئے ! باوقت درکار تھا، اس لئے یہ سفرٹلتا رہا، یہاں تک کہ اس سال (١٤٢٩ھ) میں عیدالفطر کے بعد تقریباً تین ہفتے میں اس سفر کیلئے فارغ کرسکا۔ پہلے پانامہ جانے کا خیال تھا، اور اس کے بعد ٹرینیڈاڈ۔ پانامہ جانے کیلئے کئی راستے ممکن تھے، لیکن کئی وجوہ سے مجھے برازیل کے راستے سے جانا زیادہ مناسب معلوم ہوا، اور خیال ہوا کہ چندروز برازیل میں بھی گذار لئے جائیں، اور اس طرح برازیل بھی اس سفر میں شامل ہوگیا۔ پھر جب بارب ڈوس کے کچھ احباب کو میرے اس سفر کا علم ہوا تو انہوں نے وہاں آنے کیلئے بھی اصرار کیا، اور اس طرح آخری دودن وہاں بھی حاضری ہوئی۔

٧ اور ٨ شوال کو دبئی میں دودن کی میٹنگوں سے فارغ ہونے کے بعد ٩ شوال (مطابق ٩/اکتوبر ٢٠٠٨ء) کو بروز جمعرات صبح ساڑھے دس بجے امارات ائیر لائنز کی پرواز سے برازیل کے سب سے بڑے شہر ساؤپالو کیلئے روانگی ہوئی۔ دبئی سے ساؤپالو کا فاصلہ تقریباً تیرہ ہزار کیلومیٹر ہے، اور امارات ائیر لائنز نے ساؤپالو کیلئے براہ راست پرواز جاری کی ہوئی ہے جو تقریباً ساڑھے پندرہ گھنٹے میں ساؤپالو پہنچاتی ہے۔اس ائیر لائنز سے میں نے ماضی میں جو بہت سے سفر کئے ہیں، اُن کی وجہ سے میرے پاس اس کے بہت سے پوائنٹس ہیں۔ان پوائنٹس کی بنیاد پر ائیر لائنز نے مجھے بلا معاوضہ اپ گریڈ کر کے فرسٹ کلاس کی سیٹ دیدی تھی۔ ائیر لائنز نے حال ہی میں بوئنگ ٢٠٠-٧٠٧ کا یہ نیا طیارہ خریدا ہے جس میں فرسٹ کلاس کے ہر مسافر کیلئے ایک چھوٹا سا خوبصورت کمرہ مخصوص کردیا جاتا ہے جو دروازوں سے بند بھی ہوجاتا ہے، اور اُس کی نشست پھیل کر مکمل بستر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔اس کے علاوہ اس میں لکھنے کی میز بھی ہے، چھوٹی سی الماری بھی، اور بہت سی ایسی سہولیات بھی جن کا پہلے ہوائی جہاز میں

تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا۔اس وجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ یہ طویل سفر بڑا آرام دہ بن گیا۔ پچھلے تقریباً دس بارہ سال سے میرے پاس جہاز میں کرنے کیلئے قرآن کریم سے متعلق کوئی نہ کوئی تالیفی کام ہوا کرتا تھا، پہلے معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ، پھر میرا انگریزی ترجمہ جو نوبل قرآن کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور آخر میں قرآن کریم کا نیا اُردو ترجمہ اور اُس کے تشریحی حواشی۔ان تینوں کاموں کا بڑا حصہ سفروں اور جہازوں میں ہی انجام پایا ہے۔ الحمدللہ! یہ اردو ترجمے کا کام بھی اس رمضان المبارک میں تکمیل کو پہنچ چکا ہے، اور اب زیرطبع ہے۔اس لئے سالہا سال کے بعد جہاز کا یہ پہلا طویل سفر تھا جس میں قرآن کریم سے براہ راست متعلق کوئی کام میرے ساتھ نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ سفر پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔البتہ ایک اور کام اس سفر میں میرے ساتھ رہا، اور وہ سیاست کے مختلف نظریات اور اُن کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے موضوع پر کئی سال پہلے میں نے دارالعلوم میں ایک کورس کرایا تھا جس میں ملک بھر سے علماء کرام شریک ہوئے تھے۔ اس درس کی تقاریر کو میرے دوست مولانا مزمل کاپڑیا صاحب نے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے کمپیوٹر پر کمپوز کرلیا ہے۔ مولانا مزمل صاحب کو ہر ہفتے تین مرتبہ اپنے گردے کی دھلائی (Dialysis) کرانی پڑتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی ہمت سے نوازا ہے۔اسی دھلائی کے دوران وہ ٹیپ ریکارڈر سے سن سن کر یہ تقاریر کمپوز کرتے رہے، یہاں تک کہ کئی سو صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ اُنہوں نے نظر ثانی کیلئے میرے کمپیوٹر میں داخل کردیا۔اب میں نے اس سفر میں اُس پر نظر ثانی کا کام شروع کردیا، اور جہاز میں یکسوئی کے ساتھ کافی دیر اس کام میں مشغول رہا۔

جہاز پہلے جزیرۂ عرب کو یمن کی طرف سے عبور کرکے بحر احمر میں داخل ہوا، پھر حبشہ (ایتھوپیا) کی سمت سے براعظم افریقہ میں داخل ہوکر اُس نے افریقہ کو عرضاً عبور کیا، اور کانگو اور انگولا کی طرف سے نکل کر بحر اوقیانوس پر پرواز شروع کردی۔تقریباً چھ گھنٹے مسلسل اس سمندر پر پرواز کرنے کے بعد جنوبی امریکہ کے براعظم میں داخل ہوکر جب طیارہ ساؤپالو کے ہوائی اڈے پر اترا تو وہاں کے حساب سے اُس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔(ساؤپالو کا وقت دبئی سے آٹھ گھنٹے اور پاکستان سے نو گھنٹے پیچھے ہے۔)

برازیل کے شہر ساؤپالو میں

ائیرپورٹ پر ہمارے میزبان جناب علی احمد الصیفی استقبال کیلئے موجود تھے۔ یہ اصلاً لبنانی ہیں، اور ان کے والد عرصۂ دراز سے برازیل میں مقیم ہیں۔ دبئی میں ہمارے دوست جناب اسحاق نور اور امان اللہ صاحب کی معرفت ان سے میرا تعارف ہوا تھا، اور یہ میری کتابوں کے حوالے سے مجھ سے

واقف تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے برازیل کے قیام کے دوران ہماری میزبانی کی۔ ساؤپالو برازیل کا سب سے بڑا تجارتی شہر ہے جو تقریباً ڈیڑھ کروڑ آبادی پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ علی احمد الصفی صاحب نے اپنے گھر کے قریب جس ہوٹل نما فلیٹ میں ہمارے رہنے کا انتظام کیا تھا، وہ اس کے ایک محلے ساؤبرنارڈو میں واقع تھا، اور ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے وہاں تک پہنچتے پہنچتے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ موسم میں بڑی خوشگوار خنکی تھی، اور وہ رات ہم نے اپنی قیام گاہ پر ہی گذاری۔

برازیل جنوبی امریکہ کے براعظم کا سب سے بڑا ملک ہے جو بتیس لاکھ چھیاسی ہزار چارسو ستاسی مربع میل میں پھیلا ہوا ہے، اور اس طرح پورے براعظم کا تقریباً آدھا رقبہ اُس کے پاس ہے، اور جنوبی امریکہ کے ممالک میں سب سے زیادہ آبادی بھی اسی ملک میں ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی تک دنیا کو اس علاقے کا علم نہیں تھا، ١٥٠٠ء میں پرتگال کے ایک نیوی کمانڈر پیڈرو ایلورس کیبرال (Pedro Alvares Cabral) جو کولمبس اور واسکوڈی گاما کی طرح ہندوستان کا راستہ دریافت کرنے کیلئے نکلا تھا، بھٹک کر جنوبی امریکہ کی طرف آنکلا، اور اُس نے برازیل کا یہ علاقہ دریافت کیا۔ اُس وقت یہاں جو قوم آباد تھی، اُس کے حالات نامعلوم ہیں، لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ غیر متمدن قوم تھی۔ رفتہ رفتہ جب پرتگالیوں کو معلوم ہوا کہ یہاں قدرتی وسائل بہت ہیں تو انہوں نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا، اور اس ملک کو پرتگال کی نوآبادی قرار دیدیا۔ اسی لئے اس ملک میں پرتگیزی زبان بولی جاتی ہے۔ پرتگال کے تسلط کے بعد اس علاقے کے اصل باشندے دوردراز کے دیہاتی علاقوں تک محدود ہوگئے، اور آبادی کی بہت بڑی تعداد تو وہ تھی جو پرتگال سے یہاں آکر رہنے لگی تھی، اس کے علاوہ پرتگالی حکومت افریقہ کے بہت سے سیاہ فام لوگوں کو غلام بنا کر یہاں اس لئے لائی کہ اُن سے یہاں کھیتی باڑی کا کام لیا جائے، اس طرح سیاہ فام افریقیوں کی بھی بڑی تعداد یہاں آباد ہوگئی۔ ادھر یورپ کے دوسرے علاقوں سے بھی بہت سے سفید فام لوگ آکر آباد ہوئے، اور ان مختلف النسل لوگوں کے درمیان شادی کے رشتے سے ایک ملی جلی قوم پیدا ہوگئی۔ سولھویں صدی سے انیسویں صدی کے آغاز تک برازیل پرتگال کے قبضے میں رہا، یہاں تک کہ اس میں آزادی کی تحریک چلی، اور آخرکار ۷ ستمبر ١٨٢٢ء کو اُس نے پرتگال سے آزادی حاصل کرکے مستقل ملک کی حیثیت اختیار کرلی۔ آزادی کے بعد یہاں کے قدرتی وسائل اور تجارت وصنعت کے مواقع کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطوں سے لوگ ترک وطن کرکے یہاں آباد ہوئے جن میں افریقہ کے علاوہ یورپ اور

عرب ممالک کے باشندے بھی داخل تھے۔ انہی عرب لوگوں میں سے بہت سے مسلمان بھی تھے جن کی تعداد بڑھتے بڑھتے اب دس لاکھ کے قریب قریب پہنچ چکی ہے۔ ان میں ساٹھ فی صد کے قریب تعداد یہیں کے برازیلی نومسلموں کی ہے، ان کے بعد زیادہ تر مسلمان عربی نسل کے ہیں، اور ان میں بھی لبنان کے باشندے زیادہ ہیں۔ اب پاکستانیوں کی بھی تھوڑی سی تعداد موجود ہے۔

علی الصیفی کے والد احمد الصیفی صاحب عرصہ دراز پہلے لبنان سے برازیل منتقل ہوئے تھے، اور انہوں نے یہاں مسجدوں کی تعمیر اور اسلامی مراکز کے قیام میں بڑا سرگرم حصہ لیا ہے۔ انہوں نے ہمارے قیام کی دوسری رات اپنے گھر پر میرے اعزاز میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں شہر کے چیدہ چیدہ لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ اس موقع پر ان حضرات نے بتایا کہ بحمداللہ برازیل میں مساجد کی تعداد سو سے متجاوز ہوچکی ہے، اور صرف ساؤ پالو کے صوبے میں تقریباً پچاس مسجدیں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ برازیل کے باشندوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور اگر پرتگیزی زبان میں اسلام کی تبلیغ کا انتظام ہوتو اس تعداد میں بہت اضافے کا امکان ہے۔ (مجھے بھی اپنے مختصر قیام کے دوران کئی نومسلموں سے مل کر اس حقیقت کا شدت سے احساس ہوا جس کا تذکرہ میں ان شاء اللہ آگے کروں گا) جن حضرات سے اس عشائیے میں ملاقات ہوئی، ان میں کئی حضرات بڑے متدین اور دینی جذبے سے سرشار معلوم ہوئے، اور انہوں نے اپنے اپنے تجربات سے آگاہ کیا۔ میری آمد کی خبر سن کر ایک پاکستانی نوجوان فرحان ڈیپائی صاحب اپنے کچھ احباب کے ساتھ تین گھنٹے کی مسافت سے سفر کر کے وہیں پہنچ گئے۔ یہ حضرات تبلیغی جماعت کے ذریعے اس ملک میں دین کی گرانقدر خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انہوں نے بتایا کہ الحمدللہ جماعت کا کام یہاں سرگرمی سے جاری ہے۔

برازیل میں مرغیوں کے فارم اتنے زیادہ ہیں کہ وہ دنیا بھر میں مرغیوں کا گوشت برآمد کرتا ہے۔ سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں بھی بکثرت مرغیوں کا گوشت وہاں سے آتا ہے، اور اگرچہ اس پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اسلامی طریقے پر ذبح کی ہوئی مرغیوں کا گوشت ہے، لیکن اُس کی حقیقت کے بارے میں ہمیشہ شک وشبہ ہی رہتا ہے، کیونکہ ان ملکوں میں عموماً مرغیوں کو مشین سے ذبح کیا جاتا ہے، اور اس میں شرعی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہم اُسے کھانے کا مشورہ نہیں دیتے۔ میں نے اپنی کتاب احکام الذبائح میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ میں نے پانامہ جاتے ہوئے برازیل کا جو راستہ اختیار کیا، اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شاید اس قیام کے دوران اس سلسلے میں کچھ مزید

معلومات حاصل ہوں، اور علی الصیفی صاحب سے رابطہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اور ان کے والد اُن چندلوگوں میں سے ہیں جو وہاں مرغیوں کے ذبح کی نگرانی کرتے ہیں، اور سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔ میں نے ان سے برازیل پہنچنے سے چندروز پہلے یہ درخواست کی تھی کہ وہ میرے قیام کے دوران اگر ممکن ہوتو کسی مذبح کا معائنہ کرانے کا انتظام کریں۔ لیکن اُنہوں نے بتایا کہ یہاں ذبح کی فیکٹریوں کا یہ قانون ہے کہ کسی باہر کے ملک سے آنے والے کو کچھ دن برازیل میں قرنطینہ کرانے کے بعد فیکٹری میں داخلے کی اجازت ملتی ہے، اس لئے اس مختصر قیام میں معاینہ ممکن نہیں ہوگا۔ زبانی طور پر انہوں نے بتایا کہ ان کارخانوں میں مسلمانوں کیلئے مرغیاں ذبح کرنے کا جو وقت مقرر ہوتا ہے، اُس میں مرغیوں کو مشینی چھری سے ذبح نہیں کیا جاتا، بلکہ چار آدمی اپنے ہاتھوں میں چھریاں لیکر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور جب مرغیاں اُن کے سامنے سے گذرتی ہیں تو وہ بسم اللہ پڑھکر اُنہیں ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں۔ یہ وہی طریقہ ہے جو بندہ نے اپنی کتاب ''احکام الذبائح،، میں تجویز کیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی تو رفع ہوئی کہ وہاں مشینی چھری سے مرغیاں ذبح ہوتی ہیں، یا بسم اللہ پڑھنے کیلئے کوئی ٹیپ لگادیا جاتا ہے، لیکن علی الصیفی اور احمد الصیفی صاحبان نے دو باتوں کا اعتراف کیا۔ ایک یہ کہ اگرچہ ہم نے ان ذبح کرنے والوں پر یہ پابندی عائد کررکھی ہے کہ وہ ہر مرغی پر بسم اللہ پڑھیں، اور جب تک اُن کی ڈیوٹی ہے، اُس وقت تک کوئی اور کام نہ کریں، لیکن بہرحال وہ انسان ہیں، اور کبھی اُن کو کھانسی، چھینک وغیرہ آسکتی ہے، اور جس تیزی سے مرغیاں اُن کے سامنے سے گذرتی ہیں، اُس کے پیش نظر اس بات کا امکان رہتا ہے کہ کچھ مرغیاں اس طرح گذر جائیں کہ اُن پر الگ سے بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔ دوسرے ہمیں ہر مذبح میں ذبح کرنے کیلئے مسلمان میسر آنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ یہ فیکٹریاں شہروں سے دور ایسے علاقوں میں ہیں جہاں مسلمان رہنا پسند نہیں کرتے، اس لئے بعض مقامات پر عیسائیوں کو بھی مقرر کیا گیا ہے، اور ان پر یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کریں۔ اب وہ عملاً اس بات کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ ان حضرات کے بیان کے مطابق برازیل میں کم وبیش پچاس فیکٹریاں ہیں جن میں سے ہر ایک میں روزانہ ہزارہا مرغیاں ذبح ہوتی ہیں، اور ان میں مسلمانوں کے ذبیحے کی نگرانی کرنے اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے والے بھی مختلف ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کن شرائط کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور جب بازار میں یہ مرغیاں آتی ہیں تو یہ پتہ لگانا

بہت مشکل ہے کہ یہ کونسے مذبح کی ہیں، اور کن لوگوں نے اس کیلئے سرٹیفکیٹ جاری کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس تفصیل کے معلوم ہونے کے بعد بھی برازیل سے درآمد کی جانے والی مرغیوں کے بارے میں شکوک وشبہات رفع نہیں ہوئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حلال گوشت کی فراہمی کیلئے عالمی سطح پر کوئی قابل اعتماد انتظام کیا جائے۔ افسوس ہے کہ مسلمان ملکوں کی حکومتوں کو اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے، لیکن میں نے بعض نجی اداروں سے فرمائش کی ہے کہ وہ مستند علماء کی نگرانی میں اس طرح کا کوئی انتظام کریں، اور اس سلسلے میں کچھ ابتدائی قدم اُٹھائے بھی گئے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ کامیابی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

ساؤپالو میں قیام کے دوران ہم نے شہر کی بعض مسجدیں بھی دیکھیں جو ماشاء اللہ بڑی عالیشان تھیں، ان کے منارے دور سے نظر آتے ہیں، اور نمازیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہوتی ہے۔ نماز جمعہ ہم نے مسجد ابوبکر الصدیق میں پڑھی جو اسی محلے میں واقع ہے جس میں ہمارا قیام تھا۔ یہاں ایک مصری شیخ نے عربی میں اچھا خطبہ دیا، اسی مسجد کے ساتھ ایک اسلامی مرکز بھی قائم ہے، بچوں کی تعلیم کا بھی کچھ انتظام موجود ہے، ایک مسلمان ریسٹورنٹ بھی ہے، اور مسلمانوں کی ضروریات کی ایک دوکان بھی۔ ایک اور مسجد جس میں ہمیں نماز پڑھنے کا موقع ملا، مسجد الملک عبدالعزیز ہے جو سعودی تعاون سے تعمیر ہوئی ہے، اور بڑی خوبصورت اور شاندار مسجد ہے۔ اس کا رقبہ بھی بہت بڑا ہے، اور بارہ سال سے یہاں ایک مدرسہ بھی قائم ہے جس میں تقریباً سو بچے زیر تعلیم ہیں، اور اس میں عصری مضامین کے ساتھ دینی تعلیم کا انتظام ہے۔ تبلیغی جماعت کا مرکز تو اگر چہ یہاں سے دور مسجد عمر بن الخطاب میں ہے، لیکن جماعتوں کی زیادہ تر آمدورفت اسی مسجد ملک عبدالعزیز میں ہوتی رہتی ہے، اور اس وقت بھی وہاں مراکش سے ایک جماعت آئی ہوئی تھی۔

تبلیغی جماعت کے کام نے جن زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، اُن کی ایک قابل رشک مثال ہمارے سامنے اُس وقت آئی جب علی الصیفی صاحب کے ماموں زاد بھائی صہیب صاحب سے ہماری ملاقات کرائی گئی۔ یہ نوجوان جماعت کے کام میں بہت سرگرم ہیں، اور علی صاحب نے بتایا کہ ان کے والد مصطفیٰ احمد العرہ لبنان کے اُن مال دار لوگوں میں سے تھے جو برازیل میں آکر دین ومذہب سے بالکل بے تعلق ہوگئے تھے، اور مغربی تہذیب کے تمام برے لوازم اُن کی زندگی میں موجود تھے، یہاں تک کہ وہ اپنی ان بری عادتوں کی وجہ سے مسلمانوں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے

تھے۔ اُن کے والد نے ان کی اصلاح کیلئے سختی اور نرمی کا ہر طریقہ آزمایا، مگر اُن کے اطوار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء کے قریب برطانیہ سے ایک تبلیغی جماعت آئی، اور اُس کے امیر نے کسی جگہ بیان کیا تو اُس وقت اتفاق سے یہ صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ بیان کرنے والے صاحب کی شکل وصورت دیکھ کر انہوں نے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ کسی مسجد یا مدرسے کیلئے چندہ کرینگے، اس لئے ان کے دل میں اُن کے لئے کوئی اچھے جذبات پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن جب اُنہوں نے بیان کرنا شروع کیا تو نہ جانے کس دردمندی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ سے کوئی پیسہ نہیں چاہئے، ہم اپنا پیسہ خرچ کر کے یہاں اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اُس دین کے حصول کی دعوت دیں جو حضور نبی کریم ﷺ لیکر تشریف لائے تھے، تو انہیں اپنے خیال پر ندامت ہوئی اللہ تعالیٰ کو مصطفیٰ العرہ صاحب کی زندگی بدلنی تھی، اس کے بعد انہوں نے پورا بیان سنا، اور اُنہی کے کہنے پر مصطفیٰ العرہ صاحب ۱۹۷۲ء میں پاکستان گئے، اور جب لوٹے تو وہ ایک بالکل مختلف انسان تھے۔ جن لوگوں نے اُن کی پہلی زندگی دیکھی تھی، وہ انہیں نئے روپ میں پہچان نہیں سکتے تھے۔ پاکستان سے واپس آکر انہوں نے اپنی پوری زندگی تبلیغی جماعت کے کام کو برازیل میں فروغ دینے کیلئے وقف کردی، اور مرتے دم تک اس خدمت میں مشغول رہے۔ ملک بھر میں جماعت کا کام جس طرح پھیلا، اُس میں ان کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے صاحبزادے صہیب صاحب نے ہمیں تیسرے دن دوپہر کے وقت اپنے گھر پر آرام کی دعوت دی، اور وہاں ان کے پورے خاندان سے ملاقات ہوئی، اور نظر آیا کہ وہ سب تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

علی الصیفی صاحب نے ہمیں ساؤپالو کی سیر بھی کرائی۔ ساؤپالو کا شہر بحر اوقیانوس کے مغربی ساحل پر واقع ہے، اور ساحل کے ساتھ ساتھ سرسبز پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ دور تک چلا گیا ہے، ان پہاڑوں کے ایک طرف سمندر ہے، اور دوسری طرف ان کے دامن میں قدرتی جھیلیں، چھوٹے چھوٹے آبشار اور خودرو درختوں کے گھنے جنگل پھیلے ہوئے ہیں جن میں آموں، کیلوں اور کئی مقامی پھلوں کے خودرو درخت بھی شامل ہیں۔ آم کے درخت یہاں خود اُگتے ہیں، اور آموں سے لدے ہوئے درخت جگہ جگہ، یہاں تک کہ سڑکوں پر بھی، نظر آتے ہیں، اور ہر کس وناکس کو مفت دستیاب ہیں۔ یہ پورا علاقہ قدرتی حسن سے مالا مال ہے جس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم ساؤپالو کی بندرگاہ سانتوز (Santos) سے گذرے جو جنوبی امریکہ کی سب سے بڑی بندرگاہ شمار ہوتی ہے، یہاں ایک چھوٹا سا شہر آباد ہے جس میں ایک مسجد بھی ہے۔ پھر آگے ایک اور چھوٹا سا شہر

کیوباٹاؤ (Cubatao) آیا جہاں گیس کے کنویں اور تیل صاف کرنے کی فیکٹریاں ہیں، اور اُس کی وجہ سے یہاں فضا میں تیل اور گیس کی بو بسی ہوئی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ فضائی آلودگی (Pollution) اسی شہر میں پائی جاتی ہے۔ پھر علی الصفی صاحب ہمیں ایک خوبصورت ساحلی شہر میں لے گئے جس کا نام گواروجا (Guaruja) ہے، اور اس کا میئر بھی ایک مسلمان ہے۔ یہ شہر بحر اوقیانوس کے ایک دلآویز کنارے پر آباد ہے جہاں سمندر سرسبز پہاڑیوں سے کھیلتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں اس وقت موسم بہار کی آمد آمد تھی، اور جگہ جگہ سے سبزہ پھوٹا پڑ رہا تھا۔ ان پرسکون قدرتی نظاروں میں کچھ دیر کیلئے سفر کی تھکن کافور ہوگئی۔

ساؤپالو (جس کا تلفظ یہاں کے لوگ سوں پالو) کرتے ہیں، برازیل کا سب سے بڑا تجارتی شہر سمجھا جاتا ہے، اور پورے جنوبی امریکہ میں سب سے بڑا صنعتی مرکز بھی۔ اُس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد ۲۵ جنوری ۱۵۵۴ء کو عیسائی مشنریوں نے رکھی تھی، اور چونکہ یہ تاریخ موجودہ بگڑی ہوئی عیسائیت کے بانی سینٹ پال کی برسی کی تھی، اس لئے اس شہر کا نام ہی سینٹ پال کے نام پر رکھا گیا، مگر پرتگیزی تلفظ کے مطابق اُسے ساؤپالو یا سوں پالو کہا جانے لگا۔ اس شہر کی سب سے مرکزی سڑک پالستا ایونیو (Paulista Avenue) اپنی شاندار اور فلک بوس عمارتوں کی وجہ سے نیویارک کے پارک ایونیو کی یاد دلاتی ہے۔ اسی علاقے میں اُس طرح کا ایک انتہائی مہنگا بازار بھی ہے جیسے لاس اینجلز کا بازار مشہور ہے۔

جب ساؤپالو میں دو دن گذارنے کے بعد ہماری روانگی کا وقت قریب آیا تو علی الصفی صاحب نے کہا کہ اگر آپ برازیلی طرز کی مچھلیاں اور یہاں کے بعض حلال کھانے کھائے بغیر یہاں سے چلے گئے تو گویا آپ نے برازیل ہی نہیں دیکھا، چنانچہ انہوں نے ساؤپالو کے ایک خوبصورت مطعم میں ہمیں دوپہر کا کھانا کھلایا جس میں واقعی نہایت لذیذ سبزیوں، چٹنیوں اور مچھلی کی انواع واقسام کا ایسا مجموعہ تھا جو اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ اسی کھانے پر انہوں نے مصطفیٰ العرہ صاحب کے بیٹے صہیب صاحب کو بھی مدعو کیا تھا، جن کا تذکرہ میں پہلے کرچکا ہوں۔ انہوں نے ہی کھانے کے بعد اپنے مکان پر آرام کرنے کی دعوت دی، اور پھر ہم وہیں سے ائیرپورٹ کیلئے روانہ ہوگئے۔

(جاری ہے)

بڑے گناہ

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

عَنْ عَبْدِاللّٰه بْنِ عَمْرٍو رضی اللّٰه عنهما عَنِ النَّبِیِ صلی اللّٰه علیه وسلم قَالَ اَلْکَبَائِرُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا، بڑے درجے کے گناہ ہیں۔

تشریح:۔ ''عُقُوْق'' کا معنی جیسا کہ نافرمانی کرنا ہے اسی طرح ایذا پہنچانا بھی ہے، لہٰذا شریعت نے نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے، بلکہ یہ حکم بھی دیا ہے کہ ماں باپ کو نہ کوئی اذیت پہنچائی جائے اور نہ ان کو ناحق ستایا جائے۔

''اَلْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ'' وہ جھوٹی قسم ہے جس کا تعلق گذشتہ زمانہ سے ہو، مثلاً کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے فلاں کام نہیں کیا، حالانکہ واقعہ میں اس نے وہ کام کیا ہے، یہ کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہم

دینی مقاصد کیلئے جدید الیکٹرانک میڈیا کا استعمال

مختلف اخبارات میں اے پی پی کے حوالہ سے خبر شائع ہوئی ہے کہ گزشتہ دنوں مکہ مکرمہ میں انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کے سربراہ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی کی زیر صدارت منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے ٹی وی چینل کے اجراٗ کا اصولی فیصلہ کرلیا گیا ہے اور اس کے انتظامات کی تیاری ہورہی ہے۔

دینی مقصد کیلئے ٹی وی چینل کی ضرورت ایک عرصہ سے اس پس منظر میں محسوس کی جارہی ہے کہ یہ آج کے دور میں ابلاغ کا سب سے موثر اور وسیع ذریعہ ہے اور مسلمانوں اور مغرب کے درمیان نظریاتی اور تہذیبی کشمکش میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل استعمال ہونے والا سب سے زیادہ موثر اور خوفناک ہتھیار ہے جس کے ذریعے اسلام کے عقائد و احکام کے خلاف نفرت انگیز مہم دن بدن وسیع ہوتی جارہی ہے اور مسلمانوں بالخصوص دینی حلقوں کی کردارکشی کی جارہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہتھیار کا جواب ہتھیار سے ہی دیا جاسکتا ہے اور جنگ کا مسلمہ اصول ہے کہ دشمن کے پاس جو ہتھیار موجود ہو، اس سے زیادہ موثر ہتھیار حاصل کرنا یا کم از کم اس درجے کا ہتھیار مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے۔

چند سال قبل ہم نے بھی ''ورلڈ اسلامک فورم'' کے تحت اس کیلئے کوشش کی تھی کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور تحفظ و دفاع کیلئے عالمی سطح پر کوئی ٹی وی چینل قائم کیا جائے۔ اس مقصد کیلئے ہم نے لندن میں متعدد سیمینار منعقد کیے اور مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا مفتی برکت اللہ اور راقم الحروف نے متعدد دیگر علمائے کرام کے ساتھ مل کر اس کیلئے لابنگ کی، باقاعدہ اس کی فزیبلٹی رپورٹ تیار کرائی اور مسلسل مہم چلائی، مگر ہم وسائل اور انتظامات کے تقاضے پورے نہ کرسکنے کی وجہ سے اس میں کامیاب

نہ ہوئے، اس لیے اب اگر مولانا عبدالحفیظ مکی اور ان کے رفقاء اس کی کوشش کر رہے ہیں تو ہمیں اس پر بے حد خوشی ہے اور ہم ان کی کامیابی کیلئے دعا گو ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

جن دنوں ہم ''ورلڈ اسلامک فورم'' کے تحت اس کیلئے کوشش کر رہے تھے تو بہت سے دوستوں نے ٹی وی کے جواز اور عدم جواز کے حوالہ سے سوال اٹھایا تھا مگر اس وقت ہم نے یہ عرض کیا کہ جہاں اجتماعی ضروریات کی بات ہو اور خاص طور پر حالت جنگ کا مرحلہ ہو تو ضروریات کا ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جہاں فقہائے کرام "الضرورات تبیح المحظورات" کے اصول کے تحت جواز اور عدم جواز سے چشم پوشی کر لیتے ہیں جس کی ایک واضح مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ اسلام نے جہاد و قتال اور جنگ کے جو اصول وضوابط اور احکام وقواعد وضع کیے ہیں اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلہ میں جو واضح ہدایات دی ہیں، ان کی رو سے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کا کوئی جواز نہیں بنتا اور بلاتفریق پوری آبادی کو تہس نہس کر دینے والے یہ ہتھیار اسلام کے اصول جنگ سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے، لیکن چونکہ یہ ہتھیار دشمن کے پاس موجود ہے اور ان سے بچاؤ کیلئے ہمارے پاس بھی اس قسم کے ہتھیاروں کی موجودگی ضروری ہے، اس لیے پوری دنیائے اسلام جواز اور عدم جواز کی بحث میں پڑے بغیر ایٹمی قوت کو بطور ہتھیار اختیار کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور کہیں سے بھی یہ آواز نہیں اٹھ رہی کہ چونکہ ایٹمی ہتھیار اسلام کے اصول جنگ اور جناب نبی اکرم ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لیے ان کے حصول کی کوشش ترک کر دی جائے بلکہ دینی حلقے عالم اسلام اور مسلم ممالک پر ایٹمی قوت بننے کیلئے زیادہ زور دے رہے ہیں۔ اسی طرح اگر ٹی وی اسکرین کو بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ اور سب سے موثر طور پر استعمال ہونے والا ایک ہتھیار سمجھ لیا جائے تو میرے خیال میں جواز اور عدم جواز کی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ آج کے دور میں فقہائے کرام کے مسلمہ اصول "الضرورات تبیح المحظورات" کے اطلاق کا اس سے زیادہ صحیح محل اور مصداق شاید اور کوئی معاملہ نہ ہو۔

مگر چونکہ ان دنوں علمی حلقوں میں ٹی وی اسکرین کے جواز اور عدم جواز کی بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے اصحاب علم اور ارباب فتویٰ اس کے بارے میں اپنا اپنا موقف دلائل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اس لیے ہم بھی اس حوالے سے چند'' طالب علمانہ گزارشات'' اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، اس امید پر کہ اصحاب علم ودانش خالصۃً علمی بنیاد پر اور ملی ضروریات کے پیش نظر ان معروضات کا جائزہ لیں گے اور اس بحث کو کسی منطقی نتیجے تک پہنچانے کیلئے اپنا کردار ادا کریں گے۔

ٹی وی اسکرین کے عدم جواز پر اصولی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ تصویر ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ نے تصویر کو صراحۃً حرام قرار دیا ہے، اس لیے یہ بھی تصویر کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے۔ یہاں دو باتوں پر غور ضروری ہے۔ ایک یہ کہ تصویر کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور دوسری یہ کہ کیا ٹی وی اسکرین پر دیکھی جانے والی انسانوں کی نقل وحرکت واقعۃً تصویر کے حکم میں ہے؟ جہاں تک تصویر کا مسئلہ ہے، اس میں کوئی کلام نہیں کہ تصویر حرام ہے اور امت کے اہل علم کا کوئی طبقہ بھی اصولی طور پر اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، لیکن کیا تصویر کی اس حرمت کا اطلاق تصویر کی تمام صورتوں پر ہوتا ہے؟ اس میں بہرحال اختلاف موجود ہے اور یہ اختلاف حضرات صحابہ کرامؓ کے دور سے چلا آرہا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ نے جناب نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا کہ جس گھر میں تصویر ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، لیکن بسر بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت زید بن خالد جہنیؓ بیمار ہوئے اور ہم ان کی عیادت کیلئے گئے تو ان کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردے پر تصویریں تھیں۔ میں نے وہاں موجود ام المومنین حضرت میمونہؓ کے ربیب حضرت عبید اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ نے تو جناب نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہم سے یہ بیان کیا تھا، پھر تصویروں والا پردہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے حضرت زید بن خالدؓ سے مذکور ارشاد نبوی سنتے وقت یہ جملہ نہیں سنا تھا کہ "الا الرقم فی الثوب" یعنی وہ تصویر جو کپڑے میں نقش ہو، وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔

اسی طرح ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوطلحہ انصاری کی بیمار پرسی کیلئے گئے تو انہوں نے وہاں موجود ایک صاحب سے کہا کہ ان کے نیچے جو گدا بچھا ہوا ہے، اسے وہ نکال دے۔ حضرت سہلؓ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس میں تصویریں ہیں۔ حضرت سہل نے فرمایا کہ کیا جناب نبی اکرم ﷺ نے تصویر کی حرمت بیان کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا تھا کہ "الا الرقم فی الثوب" کہ کپڑے پر نقش تصویر اس سے مستثنیٰ ہے؟ تو حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے کہا کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تو تھا، مگر میں اپنے لیے زیادہ بہتر صورت پسند کرتا ہوں۔

بخاری شریف کی مذکورہ روایت کے حوالہ سے حاشیہ میں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے اس سلسلہ میں مختلف فقہائے کرام کے اقوال و مذاہب نقل کیے ہیں اور قاضی ابن العربی کا یہ تجزیہ بھی نقل کیا ہے کہ تصویروں کے بارے میں احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ جسم رکھنے والی صورتیں یعنی مجسمے تو

امت کے اجماع کی رو سے حرام ہیں، لیکن کپڑے یا کاغذ پر نقش تصویروں کے بارے میں فقہائے کرام کے چار اقوال ہیں: ایک یہ کہ وہ بھی مطلقاً ممنوع ہیں، دوسرا یہ کہ مطلقاً جائز ہیں، تیسرا یہ کہ اگر تصویر کی ہیئت وشکل باقی ہے تو حرام ہے اور اگر اس کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور اجزا الگ الگ کر دیئے گئے ہیں تو جائز ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ اگر تصویر کو احترام کے ساتھ رکھا گیا ہے تو ناجائز ہے اور اگر اس کی تعظیم وتکریم نہیں ہوتی تو جائز ہے۔

قاضی ابن العربیؒ نے ان چاروں میں سے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر تصویر کی شکل و ہیئت تبدیل کر دی جائے تو جائز ہے، ورنہ نہیں لیکن حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری موطا امام محمدؒ کے حوالے سے احناف کا موقف حضرت امام محمدؒ کے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ہم اس قول کو لیتے ہیں کہ اگر تصویر بستر پر یا چٹائی پر یا تکیے پر ہو جس کا احترام نہیں کیا جاتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں جو تصویر سیدھی کھڑی کی گئی ہو یا پردے پر لٹکی ہوئی ہو تو وہ مکروہ ہے۔ یہ قول حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے اور ہمارے یعنی احناف کے عام فقہاء کا قول بھی یہی ہے۔''

بخاری شریف کے حنفی شارح حضرت علامہ بدر الدین العینیؒ نے بھی ''عمدۃ القاری'' میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام ابراہیم نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔

دلائل کی تفصیل میں جائے بغیر ہم نے یہ چند حوالے صرف اس نکتے کو واضح کرنے کیلئے پیش کیے ہیں کہ تصویر کی حرمت پر اصولی طور پر پوری امت کا اجماع واتفاق موجود ہونے کے باوجود مختلف شکلوں پر اس کے اطلاق کے حوالے سے اختلاف صحابہ کرامؓ کے دور سے چلا آرہا ہے اور یہ اختلاف دو حوالوں سے ہے:

۱)۔ ماہیت کے حوالے سے کہ کاغذ یا کپڑے پر نقش تصویر پر حرمت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

۲)۔ مقصد کے حوالے سے کہ جو تصویر احترام کے پہلو سے خالی ہے اور اس کا ادب واحترام نہیں کیا جاتا، وہ حرمت میں شامل ہے یا نہیں؟

جب کہ اس سلسلہ میں احناف کا موقف یہ ہے کہ وہ ادب وحرمت کے پہلو سے فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور جس تصویر میں ادب وحرمت کا پہلو نہیں پایا جاتا، وہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ فقہائے متقدمین کے درمیان پائے جانے والے اس واضح اختلاف کی موجودگی میں بھی اس معاملے میں اس قدر سختی کی کوئی گنجائش ہے کہ عدم جواز کے قول پر ''حرمت قطعیہ'' کا حکم صادر کر دیا جائے۔

اس مسئلہ میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی نقل وحرکت پر تصویر کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ ایک تکنیکی اور فنی بحث ہے اور بہر حال اجتہادی مسئلہ ہے جس میں مفتیان کرام کیلئے دلائل اور مصالح کے حوالے سے دونوں طرف گنجائش موجود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کم وبیش اسی طرح کی بحث ہے جیسا کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز اور عدم جواز پر کم وبیش نصف صدی تک بحث جاری رہی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر جب نیا نیا آیا تو ہمارے علمی حلقوں میں یہ بحث چل پڑی کہ اس کا نماز میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مقتدی صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر امام کی اقتدا کر رہا ہے، اسکی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ لاؤڈ اسپیکر سے آنے والی آواز امام کی اصل آواز ہے یا اس کی صدائے بازگشت ہے۔ اگر اصل آواز ہے تو نماز درست ہے اور اگر وہ اس سے مختلف نئی آواز ہے تو اس آواز پر امام کی اقتدا کرنے والے مقتدی کی نماز درست نہیں ہے۔ اب جن مفتیان کرام کی تحقیق یہ تھی کہ امام کی اصل آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے بلند اور وسیع ہو کر سامعین تک پہنچ رہی ہے، ان کے نزدیک نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز تھا اور جن کی تحقیق میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز سے مختلف تھی، وہ عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

خود ہمارے ہاں مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں ہمارے بزرگ اور محترم اور مخدوم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ عدم جواز کے قائل تھے اور جمعۃ المبارک کے اجتماع میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے سے منع کیا کرتے تھے، لیکن ان کے نائب کے طور پر ۱۹۷۰ء میں جب میں یہاں آیا تو میں نے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ تک حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک درمیان کی راہ نکالی کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ ساتھ دو تین مکبرین بھی کھڑے کر دیتے تھے، لیکن میرے خیال میں اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لیے رفتہ رفتہ وہ بھی ختم ہو گئی۔ ہمارے تبلیغی جماعت کے حضرات ابھی تک رائے ونڈ کے اجتماع میں نماز کے دوران لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں کرتے، لیکن عمومی طور پر اب کم وبیش ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک لطیفے کی بات ذکر کرنا بھی شاید نامناسب نہ ہو کہ چند سال قبل مانسہرہ (ہزارہ) میں ''سائنس اور مذہب'' کے حوالے سے ایک سیمینار ہوا جس کا اہتمام ہمارے فاضل دوست پروفیسر عبدالماجد صاحب نے کیا تھا جو مذہب اور سائنس کے درمیان ڈائیلاگ کے موضوع پر باقاعدہ ایک ادارہ قائم کر کے عالمی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ اس سیمینار کی ایک نشست میں مجھے ''مہمان خصوصی'' کا اعزاز بخشا گیا۔ اس موقع پر ایک نوجوان نے بڑے تند و تیز لہجے میں سوال کیا کہ مولوی صاحبان کا کیا ہے، وہ تو کل تک لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو بھی حرام کہتے رہے ہیں اور اب کوئی مولوی لاؤڈ اسپیکر کے بغیر نماز نہیں پڑھاتا۔ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو کبھی کسی مولوی نے حرام قرار نہیں دیا، البتہ نماز میں اس کے استعمال میں اختلاف رہا ہے اور اس میں بھی مولوی صاحبان کا کوئی قصور نہیں ہے، اس لیے کہ مسئلہ تکنیکی نوعیت کا تھا جس کی وضاحت کیلئے علمائے کرام نے اصحاب فن سے رجوع کیا۔ اب جن اصحاب فن نے یہ بتایا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بولنے والے کی اصل آواز ہوتی ہے، ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے علمائے کرام کے ایک گروہ نے جواز کا فتویٰ دے دیا اور جن کو یہ بتایا گیا کہ اصل آواز نہیں ہوتی، انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دے دیا۔ اس لیے اصل اختلاف تو اصحاب فن کا تھا جو مفتیان کرام کے فتووں میں اختلاف کا باعث بن گیا، اس میں مولوی صاحبان کا کیا قصور ہے؟ ٹی وی اسکرین کے بارے میں اختلاف بھی میری طالب علمانہ رائے میں اسی نوعیت کا ہے۔ جن اصحاب علم کی رائے یہ ہے کہ یہ تصویر ہے، ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ حرام ہی ہوگی، لیکن جو حضرات اسے تصویر نہیں سمجھتے، وہ اس کے جواز کی بات کریں گے۔

ہم اس سلسلے میں زیادہ تفصیل میں جانے کی بجائے مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے چند فتاویٰ کا حوالہ دینا چاہیں گے جن کے نزدیک ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی نقل و حرکت پر تصویر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کفایت المفتی، جلد نہم میں تصویر اور اسکرین دونوں کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں جن کا اہل علم کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم ان میں سے تین چار کا ذکر کریں گے۔

جہاں تک تصویر کا تعلق ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کا موقف وہی ہے جو جمہور علما کا ہے، چنانچہ ایک فتوے میں وہ فرماتے ہیں کہ:

’’تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ناجائز ہے، خواہ دستی ہو یا عکسی۔ دونوں تصویریں ہیں اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں۔ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے، خواہ انسان کی ہو، خواہ حیوان کی، البتہ مکانات کے نقشے اور درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں‘‘۔

جبکہ دوسرے فتوے میں تصویر کے بارے میں ان کا ارشاد یہ ہے کہ:

’’تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم جداگانہ ہے۔ تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے، خواہ چھوٹی تصویر بنائی جائے یا بڑی، کیوں کہ علت ممانعت دونوں میں یکساں پائی جاتی ہے اور علت ممانعت مضاہات لخلق اللہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی اور غیر مستبین الاعضاء ہو تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو، جائز ہے یا ضرورت کے وقت استعمال کی جائے جیسے سکہ کی تصویر، تو جائز ہے۔ باقی بڑی تصویریں بلاضرورت استعمال کرنا یا ایسی ضرورت میں رکھنا کہ تعظیم کا شبہ ہو، ناجائز ہے۔‘‘

لیکن جب حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے سینما کی اسکرین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ایک جگہ یہ فرمایا کہ:

’’سینما اگر اخلاق سوز اور بے حیائی کے مناظر سے خالی ہو اور اس کے ساتھ گانا بجانا اور ناجائز امر نہ ہو فی حدذاتہ مباح ہوگا، لیکن ہمارے علم میں کوئی فلم کسی نہ کسی ناجائز امر سے خالی نہیں ہوتی‘‘۔

جب کہ ایک اور فتویٰ میں ان کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

’’سینما میں بہت سی باتیں غیر مشروع شامل ہوجاتی ہیں، مثلاً گانا بجانا، غیر محرم صورتیں، رقص، عریاں مناظر اور ان باتوں کی وجہ سے اس کی مجموعی کیفیت کہ لہوولعب اور تہیج شہوات نفسانیہ اس کا ادنی نتیجہ ہے۔ ان وجوہ سے سینما دیکھنا ناجائز ہے، بعض صورتوں میں حرام اور بعض میں مکروہ ہے‘‘۔

تصویر اور اسکرین دونوں کے بارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ وہ تصویر اور اسکرین دونوں کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسکرین پر تصویر کا اطلاق نہیں ہوتا اور اگر دیگر ممنوعہ امور سے خالی ہو تو اسکرین ’’فی حدذاتہ مباح‘‘ کا

درجہ رکھتی ہے۔

ہماری ایک اور برگزیدہ علمی شخصیت اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق صدر مفتی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کا موقف بھی یہی ہے جیسا کہ ماہنامہ ''نورعلی نور'' فیصل آباد نے شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ کے شمارے میں اس مسئلے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالی کا ایک تفصیلی مضمون شائع کیا ہے جس کے آخر میں اس کے خلاصہ کے طور پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی خود یوں فرماتے ہیں کہ:

> ''خلاصہ یہ ہے کہ ٹی وی اور وی سی آر ان آلات میں سے نہیں ہیں جو صرف لہوولعب یا گانے بجانے اور کسی گناہ کیلئے بنائے گئے ہیں بلکہ ریڈیو، ٹیلی فون، تار کی طرح آواز اور شکلوں کو دور تک پہنچانے کیلئے ہیں، خواہ ان سے اچھے کاموں میں یہ کام لیا جائے یا برے کاموں میں، جائز میں یا ناجائز میں۔ ان کا حکم آلات لہوولعب اور گانے کے آلات کا نہیں ہوسکتا کہ جس پر نیک کاموں کی بے حرمتی بنتی ہو۔ ان میں ہر مباح کام بھی جائز اور نیک کام بھی جائز ہے۔ قاعدہ فقیہہ یہ ہے کہ جس کے استعمالات بعض حلال، بعض حرام ہوں یا کچھ حلال اور بہت کچھ حرام بھی ہوں تو حلال صورت کی وجہ سے اس کا رکھنا، مرمت کرنا، خرید کرنا، فروخت کرنا سب جائز ہے۔ اسی قاعدہ سے خشخاش کی کاشت، افیون کی بناوٹ، ان کا خریدنا، فروخت کرنا اور بلانشہ کی دواؤں میں استعمال سب جائز ہوگا لیکن نشہ کی چیز کا استعمال حرام ہے اور باقی جائز ہے۔ ایسے ہی یہاں لہوولعب گانے بجانے اور سب ناجائز کام حرام و گناہ ہیں، باقی مباحات، طاعات اور عبادات سب جائز ہیں۔''

جبکہ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے بارے میں ان کے ایک شاگرد اور آزاد کشمیر کے معروف مفتی حضرت مولانا مفتی محمد رویس خان صاحب آف میرپور نے ایک بار بتایا کہ حضرت کاندھلویؒ سے ٹی وی اسکرین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''میاں! یہ چاقو ہے۔ اس سے خربوزہ کاٹو گے تو جائز ہے اور کسی کا پیٹ پھاڑو گے تو ناجائز ہے''۔

اس کا مطلب واضح ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک سینما ٹی وی اسکرین کا حکم تصویر اور فوٹو سے مختلف ہے اور وہ اس کے جواز یا عدم جواز کی بات ماہیت کے حوالے سے نہیں، بلکہ مقاصد کے حوالے سے کرتے ہیں جیسا کہ خود تصویر کے بارے میں بھی حضرت امام محمدؒ کے بقول احناف کا ذوق

یہی معلوم ہوتا ہے۔

اس لیے ہماری طالب علمانہ رائے میں اس قسم کے اجتہادی مسائل میں، جہاں دونوں طرف گنجائش موجود ہو، زیادہ سختی سے کام نہیں لینا چاہئے اور دلائل کے ساتھ ساتھ ملی مصالح اور ضروریات کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے۔ ہم نے ایک جگہ پڑھا تھا اور اپنے ایک مضمون میں اس کا حوالہ بھی دیا تھا کہ مزارعت (یعنی بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دینا) کو حضرت امام ابوحنیفہؒ ناجائز کہتے ہیں اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اس پر معروف حنفی محدث وفقیہ حضرت ملا علی قاریؒ نے دونوں طرف کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے فرمایا تھا کہ دلائل کے حوالے سے حضرت امام صاحبؒ کا موقف قوی ہے، لیکن چونکہ مصلحت عامہ صاحبین کے قول میں ہے، اس لیے فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے۔

اسکرین کے مسئلہ پر ہمارے خیال میں مصلحت عامہ کا تعلق دونوں طرف ہے۔ ایک جانب عام مسلمانوں کو بے حیائی، عریانی، گانے بجانے اور فحاشی کے ماحول سے بچانے کا جذبہ ہے اور مسلم معاشرہ میں دینی ماحول کا تحفظ مقصود ہے جو ظاہر ہے کہ بہت مبارک جذبہ ہے اور مفتیان کرام کی دینی ذمہ داریوں میں سے ہے، لیکن دوسری طرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ٹی وی چینلز کے ذریعے پھیلائے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ، اسلامی عقائد اور احکام کا دفاع اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات کا تحفظ بنیادی ہدف ہے اور یہ بھی ہماری ملی اور دینی ضروریات میں سے ہے۔ عام مسلمانوں کی مصلحت ومفاد کا تعلق دونوں طرف ہے اور دلائل بھی یقیناً دونوں طرف موجود ہیں، اس لیے دلائل اور ترجیحات کی بحث میں پڑے بغیر ہم ارباب دانش اور اصحاب فتویٰ سے یہ گزارش کرنا چاہیں گے کہ وہ دونوں طرف سے دلائل اور مصالح عامہ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی ایسا متوازن اور باوقار راستہ نکالنے کیلئے اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں کہ ''سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے''۔ یہ آج کے دور میں ہمارے ارباب علم وفضل کی اجتہادی صلاحیت وبصیرت کا امتحان ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمیشہ کی طرح ہمارے آج کے مفتیان کرام بھی امت کی علمی وفکری راہنمائی کا کوئی متوازن اور عملی راستہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆☆☆

(البقرة: ۱۹٦)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو ان کے درمیان سرزد ہوں اور حجِ مبرور کی جزا صرف اور صرف جنّت ہے۔"

(جمع الفوائد)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ماہِ محرم کی فضیلت اور اس کے احکام

یوں تو سال کے بارہ مہینے، اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ، نے اپنے فضل و کرم سے پورے سال کے بعض ایام کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے، اور ان ایام میں کچھ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ محرم کا مہینہ بھی ایک ایسا مہینہ ہے جس کو قرآن کریم نے حرمت والا مہینہ قرار دیا ہے۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ. (التوبة: ۳۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ چار مہینے ایسے ہیں جو حرمت والے ہیں۔ ان میں سے ایک محرم کا مہینہ ہے۔

محرم کی دسویں تاریخ کو ''عاشوراء'' کہا جاتا ہے، جس کا معنی ہے ''دسواں دن'' یہ دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت و برکت کا حامل ہے۔ جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک ''عاشوراء'' کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس وقت عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ جل شانہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جو شخص عاشوراء کا روزہ رکھے گا تو وہ اس کے پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ عاشوراء کے روزے کی اتنی بڑی فضیلت آپ نے بیان فرمائی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ کے مقدس نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس شہادت کے پیش آنے کی وجہ سے عاشوراء کا دن مقدس اور حرمت والا بن گیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں عاشوراء کا دن مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اور آپ نے اس کے بارے میں احکام بیان فرمائے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو حضور اقدس ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال بعد پیش آیا تھا۔ لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ عاشوراء کی حرمت اس واقعہ کی وجہ سے ہے، بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مزید فضیلت کی

دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ اس دن عطا فرمایا جو پہلے ہی سے مقدس اور محترم چلا آرہا ہے، بہر حال عاشوراء کا دن ایک مقدس دن ہے۔

اس دن کے مقدس ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، کس دن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں پر کیوں فضیلت دی؟ اور اس دن کا کیا مرتبہ رکھا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں اس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اترے تو وہ عاشوراء کا دن تھا، اور جب نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد خشکی میں اتری تو وہ عاشوراء کا دن تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا اور اس آگ کو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے گلزار بنادیا، وہ عاشوراء کا دن تھا، اور قیامت عاشوراء کے دن قائم ہوگی۔ یہ باتیں لوگوں میں مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔ کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ہے جو یہ بیان کرتی ہو کہ یہ واقعات عاشوراء کے دن پیش آئے تھے۔

صرف ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے، اور پیچھے فرعون کا لشکر آرہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر ماریں۔ جس کے نتیجے میں دریا میں بارہ راستے بن گئے، اور ان راستوں کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریا کے اندر چلا گیا، اور جب فرعون دریا کے پاس پہنچا، اور اس نے دریا میں خشک راستے دیکھے تو وہ بھی دریا کے اندر چلا گیا، لیکن جب فرعون کا پورا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو وہ پانی مل گیا اور فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہوگیا۔ یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا۔ اس کے بارے میں ایک روایت موجود ہے، جو نسبۃً بہتر روایت ہے، لیکن اس کے علاوہ جو دوسرے واقعات ہیں ان کے عاشوراء کے دن میں ہونے پر کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فضیلت بخشی؟ بلکہ یہ سب اللہ جل شانہٗ کے بنائے ہوئے ایام ہیں، وہ جس دن کو چاہتے ہیں۔ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کیلئے منتخب فرمالیتے ہیں، وہی اس کی حکمت اور مصلحت کو جاننے والے ہیں۔ یہ بات ہمارے اور آپ کے ادراک سے ماوراء ہے، اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اپنی رحمت اور برکت کے نزول کیلئے منتخب کیا تو اس کا تقدس یہ ہے کہ اس دن کو اس کام میں استعمال کیا جائے جو کام نبی کریم ﷺ کی

سنت کے مطابق ہو۔ سنت کے طور پر اس دن کیلئے صرف ایک حکم دیا گیا ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ چنانچہ حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں روزہ رکھنا گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ بس یہ ایک حکم سنت ہے اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق فرمائے۔ آمین۔

اس میں ایک مسئلہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشوراء کا دن آتا، آپ روزہ رکھتے، لیکن وفات سے پہلے جو "عاشوراء" کا دن آیا، تو آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ وہی تھی کہ اس دن بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون سے نجات دی تھی۔ اس کے شکرانے کے طور پر یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بہرحال، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، اور یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشوراء کا روزہ نہیں رکھوں گا، بلکہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور ملاؤں گا، ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوجائے۔

لیکن اگلے سال عاشورا کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوگیا، اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن چونکہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمادی تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزے میں اس بات کا اہتمام کیا، اور ۹ رمحرم یا ۱۱ رمحرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا۔ اور اس کو مستحب قرار دیا، اور تنہاء عاشوراء کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص صرف عاشوراء کا روزہ رکھ لے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا، بلکہ اس کو عاشوراء کا ثواب ملے گا۔ لیکن چونکہ آپ ﷺ کی خواہش دو روزے رکھنے کی تھی، اس لئے اس خواہش کی تکمیل میں بہتر ہے کہ ایک روزہ اور ملا کر دو روزے رکھے جائیں۔

رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے، وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس ﷺ نے پسند نہیں فرمائی، حالانکہ وہ مشابہت کسی بُرے اور ناجائز کام میں نہیں تھی۔ بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کررہے ہیں، اس دن ہم بھی وہی عبادت کررہے ہیں۔ لیکن آپ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے، اور ان پر فوقیت رکھتا ہے، ایک مسلمان کا ظاہر وباطن بھی غیر مسلم سے ممتاز ہونا چاہئے۔ اسکا طرزِ عمل، اس کی چال ڈھال، اس کی وضع قطع، اس کا سراپا، اس کے اعمال، اس کے اخلاق، اس کی عبادتیں وغیرہ ہر چیز غیر مسلموں سے ممتاز ہونی چاہئے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ میں یہ حکم جابجا ملے گا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ غیر مسلموں سے الگ طریقہ اختیار کرو، فرمایا: خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ یعنی مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سے اپنا ظاہر و باطن الگ رکھو۔

جب عبادت، بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم ﷺ نے غیر مسلموں سے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو اور کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی۔ اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے، کہ میں ان جیسا نظر آؤں۔ تو یہ گناہ کبیرہ ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ اسی قوم کے اندر داخل ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص انگریزوں کا طریقہ اس لئے اختیار کرے تاکہ میں دیکھنے میں انگریز نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں، بلکہ ویسے ہی مشابہت اختیار کرلی تو یہ گناہ کبیرہ تو نہیں مگر مکروہ یہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کو اس حکم کا خیال اور پاس نہیں رہا۔ اپنے طریقہ کار میں، وضع قطع میں، لباس پوشاک میں، اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں، کھانے پینے کے طریقوں میں، زندگی کے ہر کام میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلی ہے۔ ان کی طرح کا لباس پہن رہے ہیں، ان کی زندگی کی طرح اپنی زندگی کا نظام بناتے ہیں۔ ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں، ان کی طرح بیٹھتے ہیں، زندگی کے ہر کام میں ان کی نقالی کو ہم نے ایک فیشن بنالیا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ حضور اقدس ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت کو پسند نہیں فرمایا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ ہم نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیر مسلموں کی جو نقالی اختیار کر رکھی ہے، خدا کیلئے اس کو چھوڑ دیں۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقوں کی نقالی کریں، ان لوگوں کی نقالی نہ کریں جو روزانہ تمہاری پٹائی کرتے ہیں۔ جنہوں نے تم پر ظلم اور استبداد کا شکنجہ کسا ہوا ہے، جو تمہیں انسانی حقوق دینے کو تیار نہیں، ان کی نقالی کر کے آخر

تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ ہاں دنیا میں بھی ذلت ہوگی، اور آخرت میں بھی رسوائی ہوگی، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بہر حال، اس مشابہت سے بچتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے۔ عاشوراء کے روزہ رکھنے کا حکم تو برحق ہے، روزے کے علاوہ عاشوراء کے دن کے بارے میں لوگ دو اور اعمال اختیار کر رہے ہیں، ان کی قرآن وسنت میں کوئی بنیاد نہیں، مثلاً بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشوراء کے دن فلاں قسم کا کھانا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہ پکایا تو عاشوراء کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہوگی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائی، اور نہ ہی صحابہ کرام، تابعین اور بزرگان دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں اور ان لوگوں کو جو انسان کے عیال میں داخل ہیں، مثلاً اس کے بیوی بچے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں اچھا کھانا کھلائے۔ یعنی اس دن عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہئے۔ اس سے زیادہ لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں۔ انکی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرما دیا کہ:۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

اور ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں۔ جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے، اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کریں گے، اس لئے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، لیکن بہت سے اہل سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں، تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہوجاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں داخل ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دیدیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کریں، بلکہ ان اوقات کو اللہ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں، اور اس کیلئے روزہ رکھنے میں، اسکی طرف رجوع کرنے میں، اور اس سے دعائیں کرنے میں صرف کریں، اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشوراء کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی

ستّر کے عدد والی احادیث

(قسط نمبر ۲)

ستّر تکلیفوں کا ازالہ

۹۔ عن مکحول عن ابی ہریرۃ قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اکثر من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ فانہا من کنز الجنۃ" قال مکحول فمن قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا منجأ من اللہ الا الیہ کشف اللہ عنہ سبعین باباً من الضر ادناہا الفقر رواہ الترمذی (باب ثواب التسبیح ص: ۲۰۲)

ترجمہ:۔ حضرت مکحولؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحولؒ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے "لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ وَلاَ مَنْجأً مِنَ اللّٰهِ اِلاَّ اِلَيْهِ" یعنی (ضرر ونقصان کو دفع کرنے کی قوت اور نفع حاصل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی قدرت کی طرف سے ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات اس کی رضا ورحمت کی توجہ پر منحصر ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرر ونقصان کی ستّر (۷۰) قسمیں دور کردیتا ہے جس میں ادنیٰ قسم فقر اور احتیاج ہے۔

تشریح:۔ حدیث میں جو فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ "جنت کا خزانہ ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ "لَا حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ" جنت کا ایک ذخیرہ ہے جس سے اس کے پڑھنے والا اس دن (یعنی قیامت کے دن) نفع وفائدہ حاصل کرے گا جس دن نہ دنیا کا کوئی خزانہ اور مال کام آئے گا اور نہ اولاد اور دوسرے عزیز واقارب نفع پہنچائیں گے۔

"فقر" سے مراد دل کا فقر اور قلب کی تنگی ہے جس کے متعلق ایک حدیث میں یوں فرمایا کہ "کاد الفقر ان یکون کفراً" بعض مرتبہ فقر کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے ان کی

برکت سے اس کے دل کی محتاجگی دور ہو جاتی ہے کیونکہ جب وہ ان کلمات کو زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان کلمات کے معنی و مفہوم کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت کے زیرِ اثر ہے، کسی کو نفع و فائدہ، آرام و راحت دینا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کو تکلیف و مصیبت اور ضرر و نقصان میں مبتلا کرنا بھی اسی کی طرف سے ہے وہ شخص بلاء و مصیبت پر صبر کرتا ہے، نعمت و راحت پر شکر کرتا ہے اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اس طرح تقدیرِ الٰہی پر راضی ہو کر حق تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔

ستّر مرتبہ استغفار

۱۰۔ عن ابی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "واللّٰه انی لا ستغفر اللّٰه واتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرّة"۔ رواه البخاری (باب الاستغفار والتوبة ص:۲۰۳)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر (۷۰) مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔"

تشریح:۔ آنحضرت ﷺ اتنی کثرت سے استغفار و توبہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ گناہ میں مبتلا ہوتے تھے کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ مقامِ عبدیت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے خدا کی بندگی و عبادت میں کوئی قصور ہو گیا ہو اور میں وہ بندگی نہ کر سکا ہوں جو ربِ ذوالجلال والاکرام کی شان کے لائق ہے، نیز اس سے مقصود امت کو استغفار و توبہ کی ترغیب دلانا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معصوم اور ساری مخلوق میں بہتر ہونے کے باوجود جب دن میں ستّر بار توبہ و استغفار کی تو امت کے گناہ گاروں کو بطریق اولیٰ استغفار و توبہ بہت کثرت سے کرنی چاہئے۔

ستّر مرتبہ گناہ کرنا

۱۱۔ عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ "ما اَصَرّ مَن استغفروان عَادَ فی الیوم سبعین مرّة" رواه الترمذی وابو داؤد (باب الاستغفار والتوبة ص:۲۰۴)

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص نے (اپنے گناہ) پر استغفار کیا اس نے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ وہ دن میں ستر بار گناہ کرے''۔

تشریح:۔ ''گناہ پر اصرار'' کا مطلب ہے گناہ پر دوام کرنا یعنی بار بار اس گناہ کو کرنا یوں تو خود گناہ کرنا کوئی کم بری بات نہیں ہے اور اس پر اصرار کرنا تو بہت ہی برا ہے کیونکہ صغیرہ گناہ پر اصرار کبیرہ گناہ کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ گناہ پر اصرار کفر کی حد تک لے جاتا ہے، لہٰذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے اور اس سے استغفار کرتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ تو حدِ اصرار سے خارج ہوتا ہے، چاہے اس سے اس گناہ کا ارتکاب کتنی مرتبہ کیوں نہ ہو کیونکہ گناہ پر ارتکاب کرنے والا تو اسی کو کہیں گے جو بار بار گناہ کرے اور وہ اس گناہ سے شرمندہ و نادم نہ ہو اور نہ استغفار کرے۔

بابِ توبہ کی چوڑائی ستّر سال کے برابر

۱۲۔ عن صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ "ان اللہ تعالی جعل بالمغرب بابا عرضہ مسیرۃ سبعین عاماً للتوبۃ لایغلق مالم تطلع الشمس من قبلہ وذلک قول اللہ عزوجل: "یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفساً ایمانھالم تکن آمنت من قبل"۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ (باب الاستغفار والتوبۃ ص: ۲۰۴)

ترجمہ:۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ بنایا ہے جو توبہ کے لئے ہے اور جس کا عرض ستر (۷۰) سال کی مسافت کے بقدر ہے اور یہ دروازہ اس وت تک بند نہیں کیا جائے گا جب تک آفتاب مغرب کی سمت سے نکلے (یعنی مغرب کی سمت سے آفتاب کا نکلنا قبولیت توبہ میں رکاوٹ ہے) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ ''اس دن آئیں گی تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں چنانچہ نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے ایمان نہیں لائی تھی'' کا یہی مطلب ہے۔''

تشریح:۔ حدیث میں ''توبہ کیلئے دروازہ ہونے'' کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کے

لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے یا یہ کہ وہ توبہ کے صحیح ہونے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت ہے، حدیث مبارکہ میں جو آیت آئی ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس دن آفتاب مغرب کی سمت سے طلوع ہوگا تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا ایمان تو ہوگا مگر توبہ نہیں کی ہوگی تو اب نہ اس کا ایمان لانا نفع دے گا اور نہ اس کی توبہ کوئی فائدہ پہنچائے گی۔

خادم کی ستّر غلطیاں معاف کرنی چاہئیں

۱۳۔ عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: جاء رجل الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰه! کم نعفو عن الخادم؟ فسکت ثم اعاد علیه الکلام فصمت فلما کانت الثالثة قال "اعفوا عنه کل یوم سبعین مرّة"۔ رواہ ابوداؤد (باب النفقات و حق المملوک ص: ۲۹۲)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کتنی مرتبہ (اپنے) خادم کی خطائیں معاف کریں؟ آنحضرت ﷺ خاموش رہے اس شخص نے پھر یہی سوال کیا تو اس مرتبہ بھی خاموش رہے پھر جب تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہر روز ستر مرتبہ"۔

تشریح:۔ ستر مرتبہ سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے کیونکہ اہل عرب کے یہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو بیان کرنے کیلئے عام طور پر ستّر (۷۰) کا عدد ذکر کیا جاتا تھا آپ ﷺ کا مقصد بھی یہ واضح کرنا تھا کہ ان کی خطائیں زیادہ سے زیادہ معاف کرو۔ (لمعات)

ستر سال نماز پڑھنے سے بہتر

۱۴۔ عن ابی هریرة قال: مرّ رجل من اصحاب رسول اللّٰه ﷺ بشعب فیه عیینة من ماء عذبة فاعجبته فقال لو اعتزلت الناس فاقمت فی هذا الشعب فذکر ذلک لرسول اللّٰه ﷺ فقال: "لاتفعل فان مقام احدکم فی سبیل اللّٰه افضل من صلاته فی بیته سبعین عاماً الا تحبون ان یغفر اللّٰه لکم ویدخلکم الجنة؟ اغزوا فی سبیل اللّٰه من قاتل فی سبیل اللّٰه فواق ناقة

وجبت له الجنة"۔ رواه الترمذی (کتاب الجهاد ص:۲۹۲)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سفر کے دوران) رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ پہاڑی کے درّے سے گزرے جس میں شیریں پانی کا ایک چشمہ تھا وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلوں اور اس درّے میں آرہوں، جب رسول کریم ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم ایسا نہ کرنا کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں ستر برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے، کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو (کامل طور پر) بخش دے اور تمہیں (ابتداء ہی میں) جنت میں داخل کردے؟ خدا کی راہ میں جہاد کرو کیونکہ جس شخص نے خدا کی راہ میں اونٹنی کے فواق کے بقدر یعنی تھوڑی دیر کیلئے جہاد کیا اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔

تشریح:۔ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی گوشہ نشینی اختیار کرنے اور جنگل میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے بخشش ومغفرت نہیں ہوگی حالانکہ یہ مراد نہیں اس لئے علماء کرام اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا اور کسی نفل کیلئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعے ان صحابی پر واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترکِ تعلق کر کے اس پہاڑی درّے میں گوشہ نشینی اختیار کی اور اگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی میں خدا کی عبادت میں مشغول رھنا ہو لیکن اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم اُن بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض اور ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہوگا جس سے تم گنہگاروں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے۔

شہید کی بہتّر بیویاں

۱۵۔ وعن المقدام بن معدی کرب قال: قال رسول الله ﷺ: "للشهيد عندالله ست خصال: يغفرله فی أول دفعة ويری مقعده من الجنة ويجار

من عذاب القبر ويأمن من الفزع الأكبر ويوضع على رأسه تاج الوقار الياقوتة منها خير من الدنيا وما فيها ويزوج ثنتين و سبعين زوجة من الحور العين ويشفع في سبعين من أقربائه۔ رواه الترمذی وابن ماجة (کتاب الجهاد ص: ۳۳۳)

ترجمہ:۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" حق تعالیٰ کے ہاں شہید کیلئے چھ خصلتیں (یعنی چھ امتیازی انعامات) ہیں ایک یہ کہ اس کی پہلی مرتبہ میں ہی (یعنی اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی) بخشش کردی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس کو (جان نکلتے وقت ہی) جنت میں اپنا ٹھکانا دکھادیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، چوتھے یہ کہ وہ بڑی گھبراہٹ یعنی جہنم کے عذاب سے مامون رہے گا، پانچویں یہ کہ اس کے سر پر عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر اور قیمتی ہوگا، چھٹے یہ کہ اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوریں دی جائیں گی اور اس کے عزیز واقرباء میں سے ستر (۷۰) آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

ستر اصحابِ صفہ

۱۶۔ عن أبی هريرة قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء أما إزار وإما كساء قد ربطوا في أعناقهم فمنها ما يبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن ترى عورته۔ رواه البخاری (کتاب الرقاق ص: ۹۴۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر (۷۰) افراد کو دیکھا جن میں سے کوئی ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس کوئی چادر ہو (جس کو وہ دوسرے کپڑے کے اوپر اوڑھ لے یا کاندھوں پر ڈال لے گویا کہ ان کو صرف ایک کپڑے کے علاوہ اور کوئی کپڑا میسر نہیں تھا) اور وہ کپڑا (بھی) یا تو تہبند تھا یا کملی تھی جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے (اور اس کے ذریعے اپنے جسم و ستر کو ڈھانکتے تھے) ان تہبند اور کملیوں میں بعض تو ایسے تھے جو صرف آدھی پنڈلیوں تک آتے تھے اور

بعض ایسے تھے جو دونوں ٹخنوں تک پہنچ جاتے تھے، چنانچہ جب کوئی شخص سجدہ میں جاتا (یا گھٹنے اٹھا کر بیٹھتا) تو اس خوف سے کہ کہیں اس کا ستر نہ کھل جائے اپنے اس تہبند یا کملی کو ہاتھ سے پکڑے رہتا تھا۔

امت محمدیہ کی عمر ساٹھ اور ستّر سال کے درمیان

۱۷۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ "عمر امتی من ستین سنۃ الی سبعین"

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، باب الأمل والحرص ص: ۴۵۰)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میری امت (کے لوگوں) کی عمر ساٹھ سال سے ستّر سال تک ہے"۔

تشریح:۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کے اکثر لوگوں کی عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان رہے گی، اور میری امت میں ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوگی جو اس (ستر سال) سے آگے بڑھ جائیں (اور ان کی عمر سو سال یا سو سال سے بھی زیادہ ہو)۔ (ترمذی وابن ماجہ)

ان احادیث طیبہ کا مطلب واضح ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی امت کے لوگوں کی عمر اکثر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوگی البتہ بعض لوگوں کی عمر ستر سال سے بھی زیادہ ہوگی، چنانچہ ہر زمانہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے چنانچہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں یعنی صحابۂ کرام میں بعض حضرات نے طویل عمر پائی، مثلاً حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سو تین سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سو سال کی عمر پائی اور ان دونوں سے زیادہ عمر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہوئی جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر میں دنیا کو خیر باد کہا، ساٹھ سال حالت کفر میں گزرے اور ساٹھ سال ایمان کی حالت میں بسر کئے اور ان سے بھی زیادہ طویل عمر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہوئی انتقال کے وقت ان کی عمر ڈھائی سو سال تھی۔ (مظاہر حق)

(جاری ہے)

مولانا محمد زاہد صاحب

جدید الیکٹرانک مناظر کے بارے میں نئی بحث

شعبان کے مہینے میں جامعہ فاروقیہ کراچی میں کچھ اہل علم و افتاء کا ایک اجلاس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مروجہ اسلامی بینکنگ اور میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے مناظر کی حرمت کا فتویٰ جاری ہوا، ہمارا خیال نہیں تھا کہ ان مسائل کو ان صفحات میں زیر بحث لایا جائے اور نہ ہی اس طرح کے فروعی اور مختلف فیہ مسائل پر ان صفحات میں بات کی جاتی ہے، لیکن فتویٰ جاری ہونے کے بعد میڈیا کے ذریعے بڑے پیمانے پر اس کی تشہیر ہوئی، بعض اخبارات نے اسے نمایاں طور پر شائع کیا اور کئی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض ٹی وی چینلز نے بھی اسے کافی اُچھالا اور شاید فریقین کی ٹی وی پر بحث کرائی ہے، اس کے بعد پچھلے دو مہینوں میں دیکھنے میں آیا کہ دینی جرائد و رسائل میں بھی اس پر بحث چل نکلی ہے اور بعض جگہوں پر ان دونوں مسئلوں پر حدود اعتدال سے تجاوز ہو رہا ہے، اس لیے دونوں معاملات میں نفس مسئلہ پر اپنی رائے عرض کرنے کا تو اب بھی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی ہماری یہ حیثیت ہے کہ ہم بڑے بڑے علماء اور فقہاء کے درمیان محاکمہ کریں البتہ مناسب معلوم ہوا کہ کچھ عمومی اور اصولی باتیں عرض کر دی جائیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حضرات علماء کرام مدظلہم کے دستخطوں سے یہ فتویٰ جاری ہوا ہے ان کی رائے سے علمی طور پر کسی کو اتفاق ہو یا اختلاف بطور ایک علمی و فقہی رائے کے سب کے لیے واجب الاحترام ہے، اسی طرح جن اہل علم و فتویٰ کی رائے اس کے برعکس ہو وہ بھی اسی احترام کی مستحق ہے، اگر کچھ لوگ اسے ایک متفقہ اور فیصلہ کن فتویٰ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔ اس معنی میں تو یہ متفقہ فتویٰ ہو سکتا ہے کہ مخصوص اجلاس کے تمام شرکاء نے اس

سے اتفاق کیا ہے، لیکن وہ اجلاس بذات خود نمائندہ اجلاس نہیں کہلا سکتا جس میں کل پاکستان سے صرف ۱۳۱ علماء کے دستخط ہوں اور مثال کے طور پر پنجاب کے پینتیس اضلاع میں سے صرف چار کی نمائندگی ہو اور تقریباً اسی طرح کا حال باقی صوبوں کا ہو پھر اکتیس علماء میں سے درجن کے قریب حضرات کا تعلق صرف دو اداروں سے ہو، جن شہروں کی نمائندگی بھی ہے ان میں متعدد ایسے شہر ہیں جہاں کے کئی نمایاں، عوامی مرجعیت اور علمی مقام رکھنے والے اہم ادارے اس میں شامل نہیں ہیں، کئی اداروں کی طرف منسوب شخصیات کے اگرچہ دستخط ہیں لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ ان متعلقہ اداروں اور وہاں کی دیگر شخصیات کی بھی یہی رائے ہے، اس لیے کہ ان میں متعدد ادارے ایسے ہیں جن کی متعدد شخصیات بلکہ ذمہ دار شخصیات الیکٹرانک میڈیا پر آتی رہتی ہیں، مطبوعہ فتویٰ کے عنوان میں ''طویل غور وخوض کے بعد'' کے لفظ ہیں، یہ بھی واضح نہیں کہ اس ''طویل غور وخوض'' میں دستخط کرنے والے سبھی حضرات شامل تھے یا یہ ''طویل غور وخوض'' تو چند حضرات نے فرمایا اور باقیوں نے تصدیق فرما دی۔ ان گذارشات کا مقصد کسی پر اعتراض کرنا نہیں ہے، ہمیں حسن ظن ہے کہ اجلاس منعقد کرنے والے حضرات کا مقصد بھی اسے ''متفقہ فیصلہ'' کے طور پر متعارف کرانا نہیں ہوگا بلکہ ایک نقطۂ نظر رکھنے والوں کی آواز اور رائے کو یکجا کرنا ہوگا، ویسے بھی اگر متفقہ تو کیا اکثریتی رائے بھی نہ ہو بلکہ اقلیتی رائے ہو تب بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ فقہی اجتہادی مسائل میں قلت و کثرت کا اتنا زیادہ اعتبار نہیں ہوتا، اقلیتی رائے ہو یا اکثریتی اس سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے، بحیثیت رائے اس کا احترام بہر حال ضروری ہے، یہ ساری گذارش اس لیے کرنی پڑی کہ ہمارے ہاں بہت سطحی انداز سے کسی رائے کو'' متفقہ فیصلہ'' قرار دینے کی مثالیں پہلے سے موجود ہیں کہیں یہ فتویٰ بھی شرکاء اجلاس کی بجائے تمام علماء کا ''متفقہ'' قرار نہ پائے۔

فقہی مسائل میں فتاویٰ اور آراء کا اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور اگر یہ اختلاف حدود اعتدال میں ہو تو امت کے لیے باعث رحمت ہے، ایسے مسائل میں ہر دور میں فقہاء امت نے یہ خوبصورت منہج عمل تجویز فرمایا کہ جو صاحب علم خود رائے قائم کرنے کا اہل ہے وہ اس رائے پر عمل کرے جسے وہ دیانت داری سے راجح سمجھتا ہے اور جو خود رائے قائم کرنے کا اہل نہیں ہے وہ اس صاحب علم کی رائے پر عمل کرنے والوں کو اعتراض اور تنقید کا نشانہ نہ بنائے، اسی کے ساتھ

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس طرح کے مسائل میں ہر شخص کا فتویٰ اور رائے خود اس پر یا اس پر اعتماد کر کے اس کی رائے اختیار کرنے والوں پر لاگو ہوگا دوسروں پر نہیں، لہٰذا میں اگر ایک کام کو اپنی دیانت دارانہ رائے میں ناجائز سمجھتا ہوں لیکن کوئی دوسرے صاحب علم شرعی دلائل کو سامنے رکھ کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ کام جائز یا مستحسن ہے تو اس کام کا مرتکب ہونے کی صورت میں، میں تو گناہ گار ہوسکتا ہوں مگر مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ میں دوسرے صاحب علم کو یا ان کی رائے پر اعتماد کر کے عمل کرنے والوں کو بھی گناہ گار قرار دوں، یہ اصول ویسے تو بہت سیدھا سا اور واضح ہے لیکن بعض مواقع پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ اس سے چیں بجبیں ہوتے ہیں، شاید انہیں دوسرے لوگ گناہ گار ہونے اور اس فتویٰ کی زد سے بچتے ہوئے نظر آتے ہیں تو ان کے خیال میں فتویٰ کا مزہ ہی کرکرا ہوجاتا ہے۔

یہ ساری تفصیل ان مسائل کے بارے میں ہے جن میں مستند اہل علم کا واقعی شرعی دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہو، مذکورہ شائع شدہ فتویٰ میں زیر بحث لائے گئے دونوں مسئلے بھی یقیناً اس نوعیت کے ہیں، اس لیے کہ پہلے مسئلے یعنی اسلامی بینکاری میں اگرچہ ان علماء کرام مدظلہم نے حرمت کی رائے اختیار کی ہے لیکن دوسری طرف بھی صرف پاکستان نہیں عالم اسلام کے جو بڑی تعداد میں علماء ہیں ان کے بھی علم، تدین اور متعلقہ معاملات سے پوری واقفیت اور تجربے میں سے کسی چیز کی طرف ایسی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی جس کی وجہ سے ان کی رائے اور فتویٰ کو بالکل نظرانداز کردیا جائے۔

اسلامی بینکنگ کا مسئلہ تو خیر گذشتہ چند دہائیوں کی پیداوار ہے اور ابھی ارتقائی مراحل سے گزر رہا ہے تصویر کا مسئلہ تو قرون اولیٰ ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، مذکورہ فتویٰ میں اگرچہ یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ جاندار کی تصویر کی ہر شکل ناجائز ہے، لیکن اس عموم کے ساتھ حرمت کے بہت کم فقہاء قائل ہوں گے، کیونکہ بیشتر فقہاء کے ہاں جاندار تصویر کے بنانے یا رکھنے میں متعدد استثناءات موجود ہیں، فقہاء کی ایک جماعت صرف اس تصویر کو حرام قرار دیتی ہے جس کا بت وغیرہ کی طرح مستقل وجود ہو، غیر سایہ دار تصویر یعنی جو دوسری چیز پر نقش ہو وہ ان کے نزدیک حرام نہیں ہے، صحابہ و تابعین میں بھی متعدد حضرات کا یہ مذہب ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ حضرات تصویر کے بارے میں بعض حدیثوں کے راوی بھی ہیں، البتہ فقہاء حنفیہ سمیت کئی فقہاء نے اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کیا، کہنے کا

مقصد یہ ہے کہ یہ اختلاف عہد صحابہ وتابعین سے موجود ہے اور دونوں طرف دلائل موجود ہیں، پھر جو حضرات غیر سایہ دار تصویر کے ناجائز ہونے کے قائل تھے ان میں کیمرے کی ایجاد کے بعد یہ نئی بحث شروع ہوگئی کہ کیمرے کے ذریعے حاصل کی جانے والی فوٹو ناجائز تصویر میں داخل ہے یا نہیں، اس لیے کہ کیمرے کے ذریعے فوٹو گرافی کا عمل بوجوہ ہاتھ سے تصویر سازی سے مختلف تھا، ظاہر ہے کہ اس نئے مسئلے کا حکم قدیم فقہاء کی تصریحات میں تو مل نہیں سکتا تھا اس لیے علماء کو دلائل واصول شریعت کی روشنی میں غور کرنا پڑا اور اس کے نتیجے میں دونوں آراء تصویر شرعی ہونے اور نہ ہونے کی سامنے آئیں دونوں طرف آراء رکھنے والے جید اہل علم تھے اور دونوں نے اپنی اپنی رائے دلائل شرعیہ میں غور کے بعد ہی قائم کی، یہ تأثر کہ محض جدید آلہ ہونے کی وجہ سے ہی بعض اہل علم نے کیمرے کی تصویر کے جواز کا فتویٰ دے دیا ان حضرات کے تفصیلی دلائل سے ناواقفیت پر مبنی ہے، ان کے پیش نظر بھی یہ بات تھی کہ فوٹو اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصویر شرعی میں داخل ہے یا نہیں، نیز تصویر سازی کی حرمت کی علت بھی فقہاء کی استنباط کردہ نہیں بلکہ منصوص علت اس میں پائی جاتی ہے یا نہیں، اس وقت مجھے نہ تو اپنا نقطہ نظر بیان کرنا ہے اور نہ ہی دلائل کی تفصیل،(۱) پھر عام کیمرے کے بعد ویڈیو کیمرہ ایجاد ہوا تو اس وقت کے علماء میں پھر نئے زاویے سے یہ مسئلہ زیر بحث آیا، جو کیمرے کی فوٹو کو تصویر شرعی میں داخل نہیں کرتے تھے ان کے ہاں یہ نیا مسئلہ نہیں تھا، عام کیمرے کی فوٹو کو بحکم تصویر قرار دینے والوں کے ویڈیو کے بارے میں دونوں نقطۂ نظر سامنے آئے، پھر نئے ڈیجیٹل نظام کے عام ہونے کے بعد بعض نئی بحثیں سامنے آئیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلے میں مختلف آراء صدیوں پر محیط علمی وفقہی بحثوں کی پیداوار ہے، ایسے میں کسی ایک رائے کو ''جدیدیت کی رو میں بہ جانے'' اور ''جدیدیت واباحیت کی ناجائز پیروی'' سے تعبیر کرنا انتہائی بے جا بدگمانی ہے، جس کی زد میں نہ معلوم کون کون سے اہل علم وتقویٰ آجائیں گے، مثلاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ، کی ٹی وی کے بارے میں رائے اہل علم میں کسی حد تک معروف ہے اب تو متعدد جرائد نے آپ کے تفصیلی فتویٰ کو چھاپ بھی دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''مگر اس آلہ کے ہر استعمال کو حرام کہنا سخت بے احتیاطی اور کلیۃً اجتناب کو فرض کہنا زیادتی ہے، مختصر حکم اس کا یہی ہے کہ جو کام باہر حرام یا مکروہ تحریمی بلکہ کفر وشرک ہے وہ

(۱) جو اسے کسی قدر تفصیل سے دیکھنا چاہیں وہ اشرف التوضیح، جلد ثالث، باب التصاویر ملاحظہ فرمالیں۔

اس میں بھی حرام، مکروہ کفروشرک رہیں گے اور جو کام باہر جائز تھے وہ اس میں بھی جائز رہیں گے۔'' (ماہنامہ نورعلی نور، شوال ۱۴۲۹ھ)

یہ اس مردِ درویش کی رائے ہے جس کے دل میں ٹی وی پر نظر آنے کی شاید کبھی خواہش بھی پیدا نہ ہوئی ہو، کیا میڈیا پر نظر آنے اور کیمروں کی بھرمار پر مشتمل اجتماعات میں شرکت فرمانے والے ہمارے یہ بزرگ اس مردِ درویش کی اس رائے کو بھی جدیدیت اور اباحیت ہی کا مظہر قرار دیں گے!

ابھی چند دن پہلے چمن بلوچستان سے حضرت مولانا عبدالغنی مدظلہم کی سرپرستی میں شائع ہونے والا ماہنامہ (غالباً الہدیٰ نام ہے) وصول ہوا، اس میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا ایک خطاب شائع ہوا ہے جو انہوں نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے ریڈیو اور ٹی وی پر فرمایا تھا، مجھے معلوم نہیں حضرت مفتی محمودؒ کی رائے سے صرف اختلاف کیا جائے گا یا ان پر بھی جدیدیت اور اباحیت کی رو میں بہ جانے کا فتویٰ لاگو ہوگا۔

ایک اور بات اس ناکارہ کے چھوٹے سے دماغ اور ناقص فہم میں نہیں آ رہی ہے، وہ یہ کہ اس فتویٰ میں ٹی وی پر آنے والے یا اسے درست سمجھنے والے علماء کرام کو بھی مخاطب بنایا گیا ہے بلکہ شاید مرکزی مخاطب وہی ہیں، علماء کرام دو طرح کے ہیں، ایک وہ حضرات جو فقہی مسائل میں خود صاحبِ رائے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ دیگر حضرات کے فتویٰ کے پابند نہیں ہیں، دوسرے جو صاحب رائے نہیں ہیں، وہ بھی کم از کم اتنے شعور کے مالک تو ضرور ہوتے ہیں کہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ کوئی کام کرنے سے پہلے کس سے مسئلہ پوچھنا ہے، ایسے میں اس فتویٰ کی اس وسیع پیمانے پر اشاعت کہ تقسیم بھی ہو اور ڈاک کے ذریعے مدرسے مدرسے تک پہنچایا جائے اور فتویٰ میں یہ الفاظ بھی ہوں ''علماء کرام کا ٹی وی پر آنا اور اسے تبلیغ دین کی ضرورت کہنا اور سمجھنا شریعت کی خلاف ورزی ہے اور جدیدیت واباحیت کی ناجائز پیروی ہے'' کیا اسکا یہ مطلب سمجھا جائے کہ چند حضرات علماء کرام مدظلہم نے یہ ذمہ داری بھی سنبھال لی ہے کہ وہ دیگر علماء واہل فتویٰ واہل رائے کو بتائیں کہ انہیں کیا ''کہنا'' اور ''سمجھنا'' چاہئے، اس سے ہٹ کر کسی نے کچھ ''کہا'' یا ''سمجھا'' تو وہ شریعت کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے؟ خدا کرے کہ یہ ہماری فہم ہی کا نقص ہو اور ان حضرات کی مراد یہ نہ ہو۔

☆☆☆

محمد حسان اشرف عثمانی

آپ کا سوال

قارئین سے درخواست ہے کہ صرف ایسے علمی، ادبی اور معاشرتی سوالات ارسال کئے جائیں جو عام دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہو، مشہور اور اختلافی مسائل سے پرہیز کیجئے۔ (ادارہ)

سوال:۔ گذارش ہے کہ حضرات علمائے کرام سے سنتے رہتے ہیں کہ دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة**'' لیکن دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کی تعیین کا عام مسلمانوں کو علم نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح علماء کرام نے دینی مدارس میں پڑھنے والے علمائے کرام کے لئے ایک نصاب مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح عام مسلمانوں کے لئے بقدر ضرورت دین کا علم سیکھنے کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ اگرچہ حضرات علمائے کرام نے دین اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے اردو زبان میں بہت سی کتابیں اور رسالے تحریر فرمائے ہیں۔

آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ اُردو زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کا ایسا مجموعہ تجویز فرمادیں جو عام مسلمانوں کے لئے علم دین سیکھنے کیلئے نصاب کا درجہ رکھتا ہو، اس نصاب کو پڑھ لینے کے بعد آدمی کو دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا علم حاصل ہو جائے، اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث پاک کا منشا بھی پورا ہو جائے۔ (عبداللہ)

جواب:۔ بقدرِ ضرورت دین کا علم حاصل کرنا واقعۃً ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس بارے میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب فتاویٰ عثمانی میں فرمایا ہے کہ اس نصاب کے دو حصے ہونے چاہئیں۔ پہلا حصہ ابتدائی ضروری معلومات پر مشتمل ہو جن کے بغیر ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی گزارنا ممکن نہیں، اور دوسرا حصہ پہلے حصے کی تکمیل کے بعد ایسے مطالعے پر مشتمل ہو جس سے دینی معلومات میں اتنی وسعت اور استحکام پیدا ہو جائے کہ انسان گمراہ کرنے والوں سے گمراہ نہ ہو، پہلے حصے میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ ضروری ہے:۔

١۔حیاۃ المسلمین......از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'
٢۔فروع الایمان......از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'
٣۔تعلیم الدین......از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'
٤۔مردوں کیلئے "بہشتی گوہر" اورعورتوں کے لئے "بہشتی زیور" از حکیم الامتؒ
٥۔جزاء الاعمال......از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'
٦۔سیرت خاتم الانبیاء......از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
٧۔حکایات صحابہؓ......از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
٨۔تاریخ اسلام کامل......از حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
٩۔اُسوۂ رسول اکرم ﷺ......از حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے حصے میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہونی چاہئیں:۔

١۔معارف القرآن......از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
یاتفسیر عثمانی......از شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
٢۔معارف الحدیث کامل......از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم
٣۔بہشتی زیور کے مسائل......از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
یاعلم الفقہ......از حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ
٤۔عقائد اسلام......از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
٥۔شریعت وطریقت......از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سوال:۔ کیا مسلمان عورت خاوند کو اطلاع کئے بغیر یا خاوند کی اجازت کے بغیر محلے میں قرآن خوانی یا میت میں یا قریبی رشتہ داروں میں یا مارکیٹ میں کوئی سامان خریدنے جاسکتی ہے؟

جواب:۔ شوہر کی اجازت یا مرضی کے خلاف مذکورہ مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کے لیے گھر سے باہر جانا بیوی کیلئے جائز نہیں۔

سوال:۔ عورت کا جو زیور سونے کا ہے جو اس کے میکے والوں نے دیا اور جو سسرال والوں کی طرف سے ملا اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہوگی؟

جواب:۔ میکے سے جو زیور ملا اس کی زکوٰۃ خود عورت پر فرض ہے اور جو سسرال کی طرف سے ملا اگر وہ عورت کی ملکیت کردیا گیا تھا تو عورت پر فرض ہے ورنہ اس کے شوہر پر۔

سوال:۔ عبدالستار ایدھی ٹرسٹ، سیلانی ٹرسٹ وغیرہ کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مستحق زکوٰۃ شخص کو مالک بنا کر دی جائے اور وہ اس پر قبضہ کرے، اور مالکانہ انداز میں جس طرح چاہے اسے خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہو، اب اگر مذکورہ ادارے زکوٰۃ کو اس طرح خرچ کرنے کا اہتمام کریں جس طرح اوپر بیان ہوا ہے تو انکو زکوٰۃ دینا درست ہے لیکن اگر وہ زکوٰۃ کی رقم وغیرہ کسی مستحق زکوٰۃ شخص کو مالک بنا کر نہیں دیتے بلکہ براہ راست رفاہی کاموں یا شفاخانوں یا مدرسوں کی تعمیر یا عملے کی تنخواہوں وغیرہ پر زکوٰۃ خرچ کردیتے ہوں نیز اس رقم سے غریبوں کیلئے کوئی ایمبولینس خریدنی ہو یا میت گاڑی خریدنی ہو تو بھی اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یا ان کے یہاں زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ کا حساب الگ نہ ہو یا وہ زکوٰۃ کو مذکورہ بالا طریقے پر خرچ نہ کریں تو ان کو زکوٰۃ دینا شرعاً جائز نہیں۔

☆☆☆

مولانا محمد راحت علی ہاشمی

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب و روز

تعلیمی سرگرمیاں

قرآن کریم کا ترجمہ و مختصر تفسیر اور مستند احادیث وضروری دینی مسائل پر مشتمل وفاق المدارس العربیہ کا منظور کردہ تین سالہ نصاب "الدراسات الدینیہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے شعبہ مدرسۃ البنات میں تو کئی سال پہلے سے جاری ہے، رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر رواں تعلیمی سال ۳۰-۱۴۲۹ھ سے مذکورہ بالا نصاب جامعہ دارالعلوم کراچی کے مرکز کورنگی اور بیت المکرّم شاخ میں بھی شروع کرادیا گیا ہے بفضلہٖ تعالیٰ اس نصاب کی تعلیم کیلئے دونوں مقامات پر شائقین کا رجوع ہوا ہے اور تمام طلبہ نہایت ذوق وشوق سے شرکت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس نصاب کو زیادہ سے زیادہ نافع بنادیں۔ آمین۔

سفر زیارت

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم زیارت (بلوچستان) کے زلزلہ زدگان کے تعاون کیلئے بروز جمعرات ۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ کو کوئٹہ اور زیارت کے سفر پر روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب مدظلہ بھی تھے، بفضلہٖ تعالیٰ ایک خطیر رقم پوری ذمہ داری سے ضرورتمندوں میں تقسیم کرائی گئی، اللہ تعالیٰ ان پریشان حال حضرات کی دستگیری فرما کر ان کی تکالیف دور فرمائیں۔ آمین۔ بروز ہفتہ آپ واپس تشریف لے آئے۔

سفر حج

بفضلہٖ تعالیٰ اس سال بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کے کئی حضرات کو سفر حج کی توفیق میسر آئی چنانچہ قاری عبدالمالک صاحب، قاری خلیل الرحمٰن ڈیروی صاحب، مولانا محمد یونس صاحب، مولانا محبوب الٰہی صاحب اور زرخان صاحب اس مبارک سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سفر قبول فرمائیں اور حرمین شریفین کی برکات سے انہیں اور اہل دارالعلوم کو مستفید فرمائیں۔ آمین۔

بیرونی اسفار

۶/ شوال ۱۴۲۹ھ (۶/ اکتوبر ۲۰۰۸ء): نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

مدظلہم آج کراچی سے دبئی تشریف لے گئے جہاں آپ نے مورخہ ۷ ر اکتوبر کو گائیڈنس فنانشل کے شریعہ بورڈ کی صدارت فرمائی۔

۸ ر شوال ۱۴۲۹ھ (۸ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء): کو آرکیپٹا بینک کے شریعہ بورڈ کی میٹنگ میں شرکت فرمائی

۹ ر شوال ۱۴۲۹ھ (۹ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء): کو برازیل روانہ ہوئے، اور دو دن ساؤپالو، اور دو دن ریوڈی جینرو میں قیام کرکے وہاں کے دینی مراکز کا معائنہ کیا مؤرخہ ۱۳ ر اکتوبر کو ریوڈی جینرو سے پانامہ کے مسلمانوں کی دعوت پر پانامہ سٹی گئے جہاں ایک ہفتہ قیام کے دوران روزانہ مختلف مقامات پر اصلاحی خطابات کا سلسلہ رہا، اور وہاں کی دینی سرگرمیوں میں مسلمانوں کو مشورے دیئے، مؤرخہ ۲۰ ر شوال کو پانامہ سے ٹرنیڈاڈ کا سفر کیا جہاں پانچ روزہ قیام میں مختلف مقامات پر دعوتی اور اصلاحی خطابات ہوئے۔ مؤرخہ ۲۵ شوال کو ٹرنیڈاڈ سے باربے ڈوس کے علماء کی دعوت پر اسی روز ایک عوامی اجتماع سے خطاب کیا، اور اگلے دن علماء کرام کے ایک اجتماع میں مقامی فقہی مسائل پر مجلس مشاورت میں شریک ہوئے۔ مؤرخہ ۲۶ ر شوال کی رات کو باربے ڈوس سے لندن کیلئے روانہ ہوئے، مؤرخہ ۲۷ ر اکتوبر کو چند گھنٹے مولانا سلیم دھورات صاحب کے ساتھ لندن میں قیام کرکے دبئی روانہ ہوئے۔ اور مؤرخہ ۲۸ ر شوال کی دوپہر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت کراچی تشریف لے آئے۔

دعائے صحت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے، البلاغ انگریزی کے مدیر جناب مولانا محمد ولی رازی صاحب مدظلہم ایک حادثہ میں ٹانگ کی ہڈی میں فریکچر ہوجانے کی وجہ سے صاحب فراش ہیں اطباء نے آپریشن تجویز کیا ہے۔ ان کی مکمل اور جلد صحت یابی کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

جامعہ دارالعلوم کراچی کے کتب خانہ وقف کے کارکن مولوی معراج الدین صاحب کے بھانجے جو جامعہ دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے اپنی علالت کی بناء پر رخصت لے کر گھر گئے ہوئے تھے، اسی علالت میں انتقال فرماگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے

نام کتاب .... احکام الحجاج
نام مؤلف .... مولانا مفتی محمد طاہر مسعود
ضخامت .... ۳۲۳ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت: درج نہیں۔
ناشر .... المیزان ناشران وتاجران کتب الکریم مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے، اس کے فضائل و مسائل پر عربی و اردو بلکہ تقریباً تمام زبانوں میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور عام دستیاب ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اس موضوع کی کتابوں میں ایک عمدہ اضافہ ہے جس میں حج سے متعلق ضروری باتیں سلیقے اور جامعیت کے ساتھ آ گئی ہیں۔ مولائے کریم اس کتاب کو مؤلف اور حجاج کرام دونوں کیلئے نافع بنائیں۔ آمین۔ .... (ابو معاذ)

نام کتاب .... تبلیغ دین اور اس کی ضرورت
افادات .... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
ترتیب .... حضرت محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم
ضخامت .... ۲۱ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: مبلغ چھ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں
ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ جناح ٹاؤن نزد مسجد فردوس ہارون آباد ضلع بہاولنگر

یہ رسالہ تبلیغ دین اور اس کی ضرورت سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر ملفوظات پر مشتمل ہے۔ ہر خاص و عام کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ .... (ابو معاذ)

نام کتاب .... تربیتی نصاب (حصہ اول)
جمع و ترتیب .... مکتب تعلیم القرآن گلشن اقبال کراچی
ضخامت .... ۸۰ صفحات، طباعت و کاغذ عمدہ، قیمت: درج نہیں
ناشر .... مکتب تعلیم القرآن ST 9E بلاک نمبر 8 گلشن اقبال کراچی۔

اس مکتب کی طرف سے مکاتب قرآنیہ میں پڑھنے والے بچوں کیلئے یہ بہت اچھا نصاب تیار کیا گیا ہے جس کے ذریعہ شروع ہی سے بچوں کے ذہنوں میں صحیح دینی معلومات بیٹھ جاتی ہیں اور پھر وہ ساری زندگی ان کے ذہنوں میں موجود رہتی ہیں۔ مکاتب کے منتظمین کو اس نصاب سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہئے۔......(ابو معاذ)

نام کتاب .... اسلامی آداب زندگی (حصہ دوم)
نام مؤلف .... ابو حسان مولانا محمود الحسن اعظمی، فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
ضخامت .... بڑے سائز کے ۴۳ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت: درج نہیں۔
ناشر .... اقراء تحفیظ القرآن جمشید روڈ کراچی۔

مذکورہ کتاب کے حصہ اول پر تبصرہ البلاغ کے صفحات میں پہلے آچکا ہے، یہ اس کا دوسرا حصہ ہے، اس میں استاد کا ادب، بزرگوں کا ادب، پڑوسی کے حقوق، مجلس کے آداب اور قناعت جیسے عنوانات پر مفید باتیں عام فہم انداز میں لکھی گئی ہیں۔ چھوٹے طلبہ و طالبات کیلئے انشاء اللہ یہ کاوش مفید ہوگی۔......(ابو معاذ)

نام کتاب .... فانی زندگی کے چند ایام (خودنوشت سوانح حیات حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ)
باہتمام ونگرانی .... :مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت .... ۱۵۴ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں
ناشر .... القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

حضرت مولانا حسن جان شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اہل علم خوب واقف ہیں۔ آپؒ نے اپنے سوانح حیات خود لکھ دیئے تھے جو بہت سے علمی اور عملی فوائد سے مالا مال ہیں۔ یہ حالات وواقعات ماہنامہ القاسم میں قسطوار شائع ہوتے رہے جو مذکورہ کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ اہل علم کے ساتھ ساتھ عام پڑھے لکھے قارئین کیلئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔..................(ابو معاذ)

نام کتاب .... ایضاح المعانی فی شرح مقدمہ مختصر المعانی
ازافادات .... مولانا زرسید صاحب مدظلہ
ضخامت .... ۱۵۲ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں۔
ناشر .... بیت العلم ٹرسٹ ST 9E بلاک 8 گلشن اقبال کراچی۔

فن بلاغت کے معروف متن تلخیص المفتاح کی شرح مختصر المعانی عرصۂ دراز سے مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے، زیر نظر کتاب اسی شرح کے مقدمہ کی تشریح ہے، عربی عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کرنے کے بعد مفردات کی بھی تحقیق کی گئی ہے اور علامہ تفتازانی کی عبارتیں سوال و جواب کے انداز میں

حل کی گئی ہیں۔ مختصر المعانی پڑھنے والے طلبہ کیلئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ہوگا..........(ابومعاذ)

نام کتاب .... نایاب تحفہ المعروف بہ کنت لاادری

نام مؤلف .... مولانا نورالدین فتح پوری

ترتیب وتزین نو........ محمد صغیر فاضل دارالعلوم دیوبند

ضخامت .... ۱۳۲ صفحات، مناسب طباعت، قیمت درج نہیں۔

ناشر .... بیت العلم ٹرسٹ ST 9E بلاک 8 گلشن اقبال کراچی۔

اس کتاب میں مطالعہ کے دوران ملنے والے علمی نکات جمع کئے گئے ہیں، جن کو پڑھ کر عمدہ معلومات حاصل ہوتی ہیں، یہ کتاب طلبہ کے مطالعے مین رہنے کے لائق ہے۔..............(ابومعاذ)

نام کتاب .... توحیداورشرک

نام مرتب .... محمد خان منہاس، خلیل الرحمٰن چشتی

ضخامت .... ۲۰۸ صفحات، مناسب طباعت، قیمت:۔/۱۰۰ روپے

ناشر ... . الفوز اکیڈمی، ۶/۱۱۔E، اسلام آباد

آیات قرآنیہ کی روشنی میں توحید اور شرک سے متعلق بہت سی مفید معلومات اس کتاب میں درج ہیں، توحید کی مختلف اقسام یعنی توحید ذات، توحید الوہیت، توحید ربوبیت، توحید صفات اور توحید علم کی تشریح آیات قرآنیہ کی روشنی میں کی گئی ہے۔ عقیدہ توحید کو سمجھنے کیلئے مفید کتاب ہے۔..............(ابومعاذ)

نام کتاب .... اکرم التفاسیر (جلد دوم)

ازخطابات .... مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہم

ترتیب وتالیف .... ابوالأحمدین

ضخامت .... ۳۴۲ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت:۔/۲۷۰ روپے

ملنے کا پتہ........... اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ لاہور

اردو زبان میں یہ ایک عام فہم تفسیر ہے جس کی دوسری جلد اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں دوسرے پارے کی آیات کا سلیس ترجمہ اور تفسیر تحریر ہے، عوام الناس کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہے مگر مختلف آیات کی تفسیر کے دوران جو مسائل لکھے گئے ہیں ان پر مکمل اعتماد مشکل ہے اس طرح کے مسائل کیلئے مستند ارباب فتویٰ سے رجوع کرنا ضروری ہے۔..............(ابومعاذ)